

**TEXT PROBLEM
WITHIN THE
BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188029

UNIVERSAL
LIBRARY

حسب ضابطہ حقوق محفوظ ہے

۱۸۸۵ء

حالاتِ سعیدی

شیخ مصلح الدین سعیدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگی اور تصانیف کے حال

از منشی احمد حسین خان صابانی

کارخانہ پیلیہ اخبار لاہور کے لئے لکھے گئے

دوسری مرتبہ ۱۹۰۲ء میں

کارخانہ اخبار کو مطبع عام التعلیم پیمبر لاہور میں منشی عبد العزیز آہماہی نے

حالات سعدی

انٹروڈکشن

اے تر جان انہرار۔ اے بلبل شیراز۔ اے پنیر سخن شیخ۔ ہر چند کہ میں نے اپنی بساط کے موافق ہاتھ پانوں مارے ہیں اور ان اوراق پر لیثان میں تیری قابلیتوں۔ تیری مساعی جمیلہ تیرے کمالات باطنی اور حالات ظاہری۔ تیرے کارناموں اور علمی ترقیات کی تصویر اُتارنے کی کوشش کی ہے مگر مجھے اپنے کام پر ذرا بھی بھروسہ یا ناز نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے تیری شان میں لکھا ہے تو اُس سے کہیں سوا ہے۔ تیرے اخلاق حمیدہ اور اطوار پسندیدہ کی تعریف مجھ جیسے پیچیدان کے لئے چھوٹا منہ بڑی بات تھی۔ پس میں صدق دل کے ساتھ تیری رُوح سے اپنی ناکامی اور درماندگی کی معافی پاتا ہوں +

میں نے جو لکھا ہے وہ صرف اس لئے لکھا ہے کہ مجھے تیرے کلام سے ایک خاص عقیدت ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تیرا روشن نام میری کشت تصنیف پر آفتاب عالم تاب کا کام دیگا۔ عموماً سوانح عمری یا تذکرہ یا بیوگرافی۔ نیک بندوں کی لازوال یادگار غافلوں کے لئے خوابِ خرگوش سے بیداری کا آلہ۔ غیر متذدوں کی رگ حمیت حرکت میں لانیکا ذریعہ ترقی اور برتری کی کل۔ اخلاق درست کرنے کا نسخہ تصور کیجاتی ہے اور اسی غرض سے لکھی جاتی ہے۔ آپ کی تصنیف اور حالات جو زمانہ میں آفتاب نصف النہار کی طرح مشہور ہیں۔ میری طرف سے کسی شہرت کی محتاج نہیں۔ کیونکہ آپ کا نام و شہرت مجسم ہے بیوگرافی کے ذریعہ یادگار کا محتاج نہیں بلکہ بیوگرافی کے لئے اس بات کا فخر ہوگا کہ اُس میں آپ کا نام بھی موجود ہے۔ آپ کی تصنیف اگر نظر انصاف سے دیکھا

(ب)

جاوے تو سرتاپا اخلاق سے بہری ہوئی ہیں جسے خاطر خواہ عبرت اور بصیرت حاصل ہو سکتی ہے۔ پس میں نے یہ کتاب اُسے بیوگرافی کہا جاوے تو اس غرض سے نہیں لکھی جو عموماً بیوگرافرز کو مقصود ہوتی ہے۔ بلکہ صرف اس مطلب سے کہ اگرچہ میں خاکسار ہوں آپ کے نام کا جو پارس ہے نام لیوا ہو کر سونا ہو جاؤں۔

اے منتخب روزگار شیخ امیر ادل یہی چاہتا کہ تجھے اخلاق کا آثار کوں۔ تو وہ با اقبال گدا تھا کہ بڑے بڑے شامہنشاہ تیری حاشیہ نشینی کو مسند سلطنت سے بدرجہا بہتر سمجھتے تھے۔ اگرچہ تو گنج مرقد میں آرام سے سو رہا ہے مگر دراصل زندہ ہے۔ اگرچہ تجھ میں آواز نہیں۔ مگر رنگارنگ کی بولیاں بول رہا ہے۔ تیری تصنیف ایک کاغذی یونیورسٹی ہے۔ جس کا ہر ایک لفظ بجائے خود ایک رفیقا مر ہے جو حروف کے گونا گوں لباس میں تاقیام قیامت پند و موعظت میں مشغول ہے۔ اسے برگزیدہ معمار تو نے شہرت عام اور بقائے دوام کا ایسا عالیشان محل تعمیر کیا ہے جس میں تو نے یثرب و بطنجا کا پتھر استعمال کیا ہے۔ جس میں قلعے کو ثر و آبیحیات کا پانی برتا ہے۔ اور جس میں تو نے وہ پاک مٹی استعمال کی ہے جس سے معمار قدرت نے حق شناسی کی بصیرت پیدا کی۔

اے بے نظیر موصوّر! جس خوش اسلوبی کے ساتھ تو نے اخلاق کی تصویر کھینچی ہے اسپر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ کیا تو نے برجزبرئیل سے قلم بنایا تھا۔ اور اُس میں بال ہمال گائے تھے کہ اُس میں کوئی سقم یا فروگزاشت موخرین کو نظر نہیں آتی۔ اسے بہتر سخن شیخ ابوشعر و سخن نظم و نثر کے ساتھ مناسبت ازلی اور سرمدی لیکر آیا تھا تو نے ہی لفظوں کی عمدہ تراشیں۔ پسندیدہ استعارے اور مناسبتیں ایجاد کیں۔ آج تک تمام شعرا اور نثاریں ہی لکیر کے فقیر چلے آتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت تیری لونڈیاں تھیں اور ذخیرہ مضامین تیرا خانہ زاد غلام تھا۔

اے باغبان گلستانِ دولتستان تیرے بارے رشک گلشنِ جهان ہیں جن کے ہر چھول پتی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں۔ اور اہل منی کی جان قیامت تک سسلی

(ج)

حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے +
اے نیک بختی کے راہ نما تو نے جو کچھ لکھا ابنائے جنس کی بہبودی اور بہلائی
کے لئے لکھا۔ تو نے جو قدم دہرا راہ خدا میں دہرا۔ تو نے حق کے نام پر جان و مال
سے دیر بخ نہ کی تو نے ذاتی طمع کو یکعلم دل سے نکال دیا
پھر کیونکر نہ تجھے اخلاق کا اوتار انسان صورت

فرشتہ

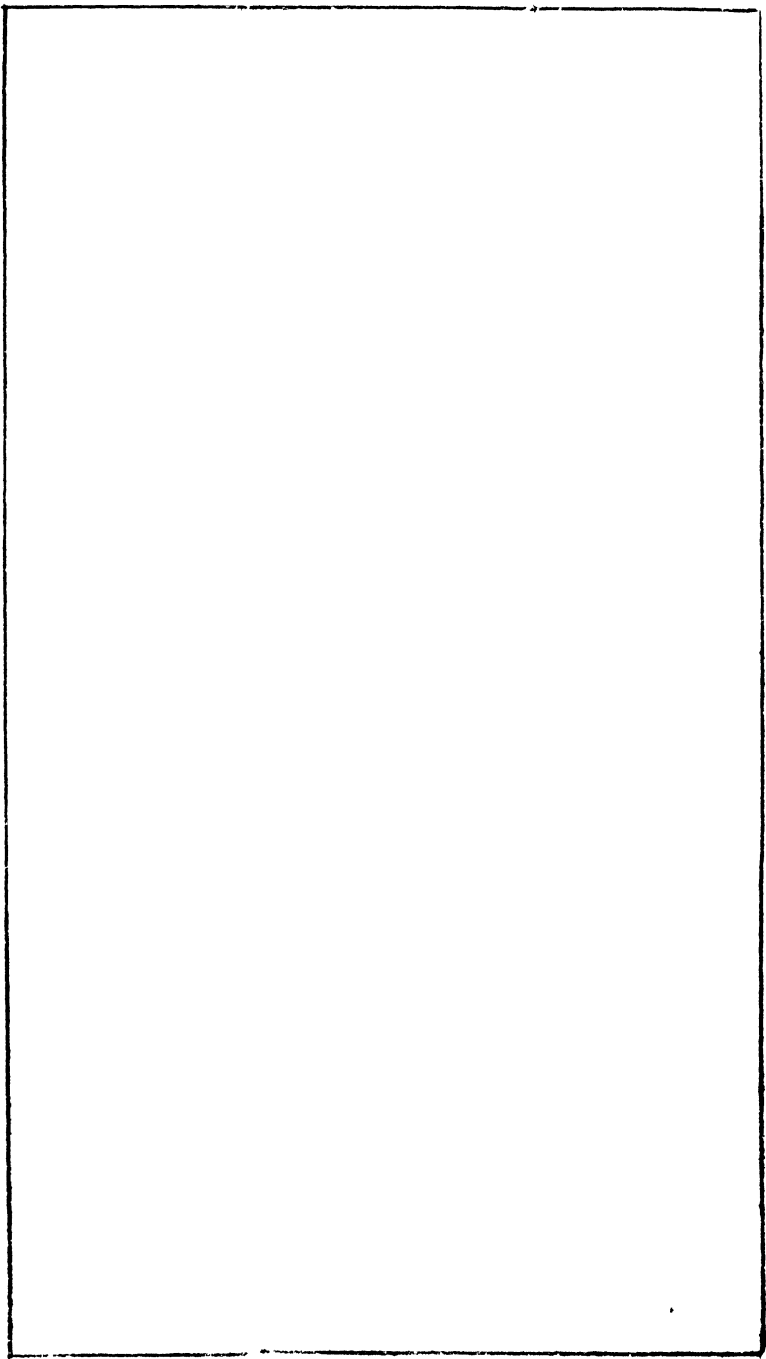
سیرت - مجمع محاسن

و کمالات کہوں - ذرا اپنا مبارک قدم
آگے بڑھاتا کہ میں بوسہ دے کر دل کو ٹھنڈا کروں اور
اپنا دست شفقت میرے سر پر پھیرا اور خدا سے دعا کر کہ میرے ان
اوراق پریشان کو قبولیت کا اعزاز حاصل ہو +

احمد حسین خان }

لاہور

۲۲- ستمبر ۱۸۹۵ء



پہلا باب

سعدی کی پیدائش اور بچپن

ایران کی قدیم دار الخلافت شیراز میں جسے دارالعلم کے لقب سے ملقب کرتے تھے جہاں علم و فضل کی کسی زمانہ میں وہ روشنی تھی جو بہت کم ملکوں کو نصیب ہوئی جس کے بانی کی کلاہ عزت میں مسلمانوں میں سب سے اول ہندوستان پرشکر کشتی کا طرہ مزین ہوا۔ جسکی نسبت لسان الغیب نے فرمایا ہے ۵

بدہ ساتی سے باقی کہ درخت نخواہی یافت

کنار آب رکن آباد و گلگشت مٹلتے را

جسکی عمارت کی شان میں اُس عالم مدماغ نے جو بقول ملا رولتی ہمدانی بکاوش مرہ از ہند تا نجف آمد۔ مفصلہ ذیل شعر کہا ہے ۵

از نقش و زگار درود دیوار شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

یہ پیغمبر سخن۔ امام تصوف۔ نئی طرز کا موجد۔ جذبات کا دریا۔ خیالات کا

سرچشہ۔ میدان نظم کا غازی۔ عرصہ نثر کا شہسوار۔ بلاغت اور فصاحت کے اکھاڑہ کا پہلوان۔ مجلس برناو پیر کا صدر انجمن۔ محفل نشاط کا ساقی۔ بزم طفلان کا کھلونہ۔ مدرسہ نظامیہ کا فخر۔ ابوبکر بن سعد زنگی کی سلطنت کا یادگار ستارہ۔ میں علم ارواح سے کشور اجسام میں آیا۔ اس کا نام شرف الدین اور لقب مصلح الدین اور تخلص سعدی ہے +

ٹی جانسٹن ایلمبری لکھتے ہیں کہ شیخ ۷۷۵ ہجری میں قصبہ طائوس میں پیدا ہوا۔ جو کسی زمانہ میں شیراز سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر جانب شرق واقع تھا مگر مختلف حملہ آوروں کی زبردستیوں سے نیست و نابود ہو گیا +

مشہور اساتذہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جو تخلص اختیار کرتے تھے وہ کسی نہ کسی خاص وجہ سے کرتے تھے۔ چنانچہ مصنف شاہنامہ کا والد باغبان تھا۔ اس رعایت سے اُس نے اپنا تخلص فردوسی رکھا۔ غنی شیرازی کا باپ عہدہ عرف پر ممتاز تھا۔ اس لئے اُس کا تخلص غنی ہوا اور اسی طرح شیخ علیہ الرحمۃ نے ابوبکر بن سعد زنگی کو خوش کرنے کے لئے اپنا تخلص سعدی قرار دیا +

روایت ہے کہ جب شیخ علیہ الرحمۃ پیدا ہوئے تو حضرت خواجہ خضرؒ ان کے والد عبد اللہ شیرازی کی خواب میں آئے اور تاکید اکید کی کہ اس نو مولود کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ باغ سخن میں ایسے ایسے گل کھلائیگا۔ جن کی خوشبو شہرت عام بن کر تمام جہان کے دماغ کو معطر بنائیگی جسکو بقائے دوام ہمیشہ طراوت بخشی رہیگی اور جن کی سرسبزی اور شادابی تک ہرگز فراموشی کا ماتھے نہ پہنچے گی +

خواجہ خضر علیہ السلام عالم رویا میں تشریف لائے ہوں یا نہ لائے ہوں ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں مگر اسمیں کسی کو کلام نہیں کہ اس صاحب کمال اور قادر الکلام کا کلام شیرہ شیراز بن کر آب زمزم کی طرح دُور دُور ملکوں میں گیا اور جہاں کہیں گیا تبرکا اور تیما لوگوں نے اُسے آنکھوں میں جگہ دی۔

ترجمان اسرار کا سکہ اسی شہنشاہ کشورِ شہرت کے نام سے موزوں ہوا۔ جسکے
طفرائے شاہی میں یہ شعر نقش ہوا۔

بے دہر بائد کہ چرخِ ظفر
بیارد کسے چون تو بارِ دگر

بعض پرانے زمانہ کے لوگ یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ جس وقت شیخ
علیہ الرحمۃ پیدا ہوئے۔ خواجہ خضر علیہ السلام تشریف لائے اور اپنا لعابِ دہن
اُن کے مُنہ میں پٹکا گئے۔ یہ رال نہ تھی ایک برقی طاقت تھی۔ جس سے چودہ
طبق روشن ہو گئے +

مولنا جاتی سے روایت ہے کہ امیر خسرو بھی ایک دن دریا کے کنارہِ جناب
خضر علیہ السلام کی ملاقات سے مستفید ہوئے اور درخواست کی کہ حضور اپنا لعابِ
دہن میرے مُنہ میں پٹکا دیں۔ اس کے جواب میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ خُسلوا
خوردن راروئے بائذ یہ دولت سعدی کے نصیب تھی +

اس قسم کی روایات ایشیا میں عموماً بڑے بڑے آدمیوں کی نسبت زبانِ دخلِ لائق
چلی آتی ہیں۔ مثلاً خواجہ حافظ شیرازی کی نسبت روایت ہے کہ جب خواجہ موصوف
شاخِ نبات طوائف پر حد سے زیادہ مفتون ہوئے تو اُس کے پاس التجا کی گئی اُس نے
کہا کہ تم ایک مہینہ تک برابر میرے باورِ چینا نہ میں لکڑیاں لا دیا کرو۔ اس عرصہ
کے بعد تمہاری عرض قبول ہوگی۔ چنانچہ خواجہ حافظ ہر روز جنگل میں لکڑیاں
لینے جایا کرتے اور شام کو ایک بڑا سا گٹھا شاخِ نبات کے باورِ چینا نہ میں پہنچا
آیا کرتے۔ اور ہر مسجد میں بلاناغہ جاکر چراغ جلایا کرتے۔ ایک دن حسبِ معمول
مسجد میں چراغ جلانے گئے تو دیکھا کہ چند شخص بیٹھے ہوئے ایک گہڑے سے
شراب انڈیل کر پی رہے ہیں۔ خواجہ حافظ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور کہنے
لگے کہ ”ہیں خانہ فدا اور ایسی قبیح حرکت؟“ اُن شرابیوں نے ایک جام بھر کر حافظ
کے بھی نذر کیا۔ اُنہوں نے جام کو ایک لات ماری۔ جس سے تمام شراب گر

عجمی اور بیالہ چور چور ہو گیا۔ لات کے لگتے ہی وہ شخص غائب ہو گئے۔ یہ تماشا دیکھ کر حافظ کی آنکھیں کھلیں اور جو شراب زمین پر گر پڑی تھی چاٹ لی۔ شراب چاٹتے ہی اسرار شاعری و حقیقت الہی کے دروازہ اُن پر کھل گئے + اس قسم کی روایات شیخ علیہ الرحمۃ کی نسبت بھی مشہور ہیں۔ چاہے ان پر کوئی اعتبار کرے یا نہ کرے +

شیخ کے خاندان کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض محققوں کا قول ہے کہ سعدی کا خاندان عینی تھا یعنی اسکے بزرگ تین سے شہزادہ فیروز آخر کیساتھ جب وہ عارضی طور پر ناظم اصفہان ہو کر آیا تھا۔ آکر شیراز میں آباد ہو گئے + جلال الدین بغدادی نے اپنی کتاب حالات سعدیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کا خاندان دراصل مکی تھا یعنی شیخ نے خود اُن سے فرمایا کہ میں مکی عرب ہوں اور میرے حسب نسب کا سلسلہ نبی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ زہرا سے تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا خاندان فاطمی تھا۔ چنانچہ بقول مصنف حالات سعدیہ شیخ کے بزرگ فاتحان عرب کے ساتھ اس ملک میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اور پھر ایران کی آب و ہوا اُن کو ایسی بہائی کہ یہیں ڈنڈا ڈیرا ڈال دیا۔ غرض شیخ کی نجابت و شرافت خاندان ہر طرح سے ظاہر ہے +

شیخ عبد اللہ شیرازی ولد شرف الدین ایک مولوی آدمی تھا جسکی پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری بہت مشہور ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ واقعی ایسا ہی تھا۔ کیونکہ اُس نے بچپن ہی میں نماز روزہ کے مسائل شیخ مرحوم کے دل میں نقش کر دیے اور چھوٹی ہی عمر میں اُسکو عابد اور شرب بیہار بنا دیا۔ جس طرح عرب کے عبد اللہ کے اُچی پسر کے دل کو روحانی طاقتوں یعنی فرشتوں نے نور کے پانی سے دھو کر صاف کیا تھا۔ اسی طرح شیراز کے عبد اللہ نے اپنے نور عین کی طبعیت کو جو کچا سونا تھی۔ تا دیب و تربیت کی کٹھالی میں ڈال کر جلد کردلوں سے پاک و صاف کر دیا۔ اکثر نوجوانوں کو صحبت بد ہی بگاڑ دیتی ہے

جیسا کہ شیخ مرحوم نے فرمایا ہے ۵

باید اں کم نشیں کہ صحبت بد
گر چہ پاکی ترا پلید کند

اسکا اللہ ایشخ عبداللہ نے یہ کیا کہ وہ سعدی کو کبھی اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا اور ہمیشہ اسکے اقوال اور افعال کا نگہبان رہتا تھا +

شیخ عبداللہ کی تنگ مزاجی مشہور تھی اور شیخ علیہ الرحمۃ کا تو اس سے خون خشک ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ ذرا سی بات پر بھی زبرد تو بیخ سے نہ چوکتا۔ چنانچہ شیخ کی ابتدائی تربیت کے فخر کا نو لکھا ہا شیخ عبداللہ شیرازی کے ہی گلے سے سجتا ہے اور سعدی نے بوستان میں خود اس امر کو ان ابیات میں تسلیم کیا ہے ۵

ندانی کہ سعدی مکان از چہ یافت نہ ناموں نوشت و نہ دریا شگافت
بجز دی سخن روز از بزرگان قضا خدا دادش اندر بزرگی صفا

شیخ عبداللہ کی تلخ مزاجی اور اسکی شیخ کو بیوقوف بولنے پر زبرد تو بیخ کرنے کی تائید گلستان کی ایک حکایت سے بھی ہوتی ہے۔ کہ ایک دن شیخ سعدی اپنے والد کے ساتھ ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے۔ جب آدھی رات ہوئی تو سوائے شیخ عبداللہ اور سعدی کے سب سو گئے اور کوئی بھی نیند پر غالب نہ آسکا۔ یہ حال دیکھ کر سعدی نے اپنے والد سے کہا کہ کس قماش کے یہ سب خرناس شخص ہیں کہ میٹھی نیند میں پڑے ہیں۔ گویا نیند کو عبادت خدا سے بہتر سمجھتے ہیں۔ کاش خدا ان کو چارے جیسی ہدایت دیتا۔ یہ سن کر عبداللہ سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ تو اپنی عبادت پر نازاں ہے اور اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تو دکھاوے کی عبادت کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ تو بھی سو جا اور اپنی عبادت پر نہ اترا۔ شیخ نے اسی وقت اپنے قصور کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے توبہ کی۔ چنانچہ اس موقع پر سعدی نے لکھا ہے ۵

نہ بنید مدعی جز خویش تن را + کہ دار دیر دہ پندار در پیش

گرت چشم خدا بینی بہ بخشند نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش
مگر شیخ علیہ الرحمۃ کا والد اسکو کم سن چھوڑ کر مر گیا۔ اور ایسے لائق و فائق باپ
کا سایہ جلد اس کے سر سے اُٹھ گیا۔

شیخ عبداللہ شیرازی کے مرنے کے بعد اس کے ماموں علامہ قطب الدین
شیرازی نے جو محقق طوسی کا شاگرد رشید اور ہولافاں کا مصاحب خاص
تھا۔ اُس دُرِ یم کی پرورش کا بیڑا اُٹھایا۔ مگر بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ نہیں
ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ والد کی وفات کے بعد اُسکی تربیت اور پرورش صرف اُسکی
بیوہ ماں نے کی۔

اگرچہ شیخ عبداللہ شیرازی شیخ کے جوان ہونے سے پہلے ہی مرض قلب سے
راہی ملک بقا ہوا شیخ کی والدہ ماجدہ مسماۃ فاطمہ ایک رئیس ایران کی بیٹی تھی
جو بڑی نیکبخت لائق عورت تھی۔ اپنے خاوند سے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئی اور شیخ
ہمیشہ اُسکی قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ پیار سے کہا کرتا تھا کہ اُمّاں جان
میں دہی ہوں جو تمہاری آغوش میں بیجا روں کی طرح پڑا رہا کرتا تھا اور تم
مجھے تھپک کر سلایا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جوش جوانی میں شیخ نے
اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں کچھ گستاخی کی۔ اسکی والدہ رو کر کہنے لگی۔
معلوم ہوتا ہے تم کو بچپن کا زمانہ یاد نہیں رہا کہ مجھ بیوہ پر سختی کرتا ہے۔ یُسکر
شیخ کے شیشہ دل پر ٹھیس لگی اور پاؤں پر گر کر قصور معاف کرایا۔

اسکی والدہ درویش مزاج۔ پابند زہد و عبادت اور صلاح و تقویٰ تھی اور
شیخ سے نہایت سختی سے فرایض مذہبی کی تکمیل کراتی تھی۔ غرض والدین کی نیک
تربیت نے صلاح اور تقویٰ کی جاگ ایسی لگائی تھی کہ اُسکی کو کسی مخالف
انقلاب زائل نہ ہوئی اور اوس کے عادات و اطوار میں اخیر تک سر مو فرق نہ آیا
اس میں کچھ کلام نہیں کہ شیخ علیہ الرحمۃ قدرِ تاثر لطف اور نیک فطرت تھا۔ مگر
پھر بھی نیک والدین کی نیک تربیت نے اُس کو بد صحبت کے اثر سے بچایا

وہ ایک میٹھا خرنپہ تھا۔ جس پر اُس کے والدین کی تربیت نے قند و نبات کا کام کیا +

شیخ عبداللہ شیرازی کی نسبت چند تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ شاہی ملازم تھا۔ مگر جہاننگ ہم نے چھان بین کی ہے ہلکویہ معلوم ہوا ہے کہ وہ ہرگز نوکری کرنا نہ چاہتا تھا۔ وہ ایک تارک الدنیا شخص تھا اور اسکو سلطنت کے عہدوں اور سرکاری ملازمت سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اس طرح اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ منظر الدین تکلہ بن زنگی نے جو شیخ عبداللہ کا بڑا معتقد تھا۔ ہر چند چاہا کہ شیخ عبداللہ کو مشیر سلطنت کر دے اور وزیری کا خلعت دے۔ مگر اُس نے منظور نہ کیا +

شاہ مصری لکھتا ہے کہ عبداللہ نے پہلے بیعت مصلح الدین کے ہاتھ پر کی تھی۔ یہ شخص اُس زمانہ میں دینی اور دنیوی علوم میں علماء وقت کا سر تاج سمجھا جاتا تھا۔ اور حاجی۔ حافظ۔ صوفی۔ شیخ زمان اور مفتی اول درجہ کا تھا۔ چنانچہ ابھی شیخ علیہ الرحمۃ کی سات برس کی ہی عمر تھی کہ عبداللہ اُن کو مصلح الدین کے پاس لے گئے۔ ان کو اس بچہ کی پیاری پیاری باتیں بہت پسند آئیں اور اُسکو گودی میں لے کر کہا "اے عبداللہ! مبارک ہو کہ خدا نے روشن دل اور خوبصورت بچہ تجھے دیا اور اس کا ظاہر جیسا خوبصورت ہے۔ ویسا ہی اُس کا باطن بھی جمیل اور حسین ہے" اس کے بعد مصلح الدین نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سعدی کو دعا دی اور کہا کہ اس بچہ کو ہر روز میرے پاس لایا کرو۔ اس کے جواب میں عبداللہ نے عرض کی کہ یہ آپ کا غلام ہے۔ اسے غلامی میں قبول فرمائیے مصلح الدین شیخ علیہ الرحمۃ کے حال پر باپ سے بھی زیادہ شفقت کیا کرتا تھا شیخ نے قرآن شریف انہیں سے پڑھ کر حفظ کیا اور انہیں کے نام سے اپنا لقب مصلح الدین کہا۔ کہتے ہیں کہ گیارہ برس کی عمر میں شیخ نے قرآن شریف حفظ کر کے فراغت حاصل کی۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ کس بلا کا ذہین اور تیز طبع

بچہ تھا +

ٹی جانسٹن ایلمبر سے صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ کا بچپن ہو مر شاعر کے بچپن سے مشابہ تھا۔ اور قدرت نے ان دونوں ناموروں کی سرشت میں کچھ ایسی مناسبت رکھ دی ہے کہ ان کا طرز کلام اور مذاق سخن بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے +

جلال الدین بغدادی نے شیخ کے بچپن کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کے عادات بچپن ہی سے تحمط اور درست تھیں۔ وہ عام بچوں کی طرح کبھی ضد یا خفیف حرکات نہ کرتا تھا جو اُس کے والدین یا کسی بزرگ کی تکلیف دہی کا باعث ہوں چنانچہ اُسکی تمام باتیں خوش آئیند معلوم ہوتی تھیں اور لوگ اسکو محبت کی نظروں سے دیکھتے تھے +

شیخ بچپن ہی سے حاضر جواب تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے اُسکو اپنے باپ کے ساتھ سعد زنگی کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ سعد نے اس ہونہار بچے سے دریافت کیا کہ میاں تباؤ تمہاری سر کیا ہے۔ سعدی نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ حضور کی پر شوکت سلطنت اور سر سبز راج سے پورے بارہ برس چھوٹا ہوں۔ سعد زنگی نے اس حاضر جوابی کو نہایت پسند کیا اور عبداللہ سے کہا کہ تم اس ہونہار کی تسلیم و تربیت اچھی طرح سے کرنا یہ ایک نہ ایک دن شہرہ آفاق ہو گا +

غرض جب شیخ علیہ الرحمۃ نے ہوش سنبھالا تو اُسکو تحصیل دنیاوی کاشوق دامنگیر ہوا۔ اُس زمانہ میں اہل علم کی بڑی قدر تھی اور غالباً ان علما مشائخ و فضحا اور مبلغا کی تقلید کے شوق نے اُسکی تیز طبع اور ذہانت کے شعلہ پر جو قدرت نے اسکی سرشت میں روشن کیا تھا۔ تیل کا کام کیا۔ اُس نے شیراز اور قرب وجوار کے علما کی صحبت میں نشست و برخاست شروع کر دی۔ لکھتے ہیں کہ اسکی قوت حافظہ اور یادداشت

ایسی زبردست تھی کہ جس چیز کو ایک دفعہ دیکھ لیتا یا سُن لیتا تھا وہ اُس کو کبھی نہ بھولتا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ موناہار بردا کے چلنے چلنے پات - اسکی طبیعت کی براقی اور جودت کے باعث شیراز کے علماء بھی ہمیشہ اسکو نظر اُفت سے دیکھتے تھے اور تحسین و آفرین کے انعام و اکرام سے اسکے حوصلہ کو جو باپ کے بیوقت مر جانے سے پست ہو گیا تھا بڑھاتے رہتے تھے۔ پہلے پہل یخ نے ارادہ کیا کہ مدرسہ عقیدہ میں جو کہ عقد الدولہ ویلمی نے قائم کیا تھا اپنی تعلیم کو درجہ تکمیل پر پہنچائے۔ لیکن قیمت کو یہ منظور نہ تھا۔ کیونکہ سعد زنگی اُس زمانہ میں عراق کے حدود پر لشکر کشی کر رہا تھا۔ غیاث الدین بلبن نے میدان خالی پا کر شیراز کا وہ حال کیا جو ۹۳۰ھ میں تیمور گورکانی نے فہلی کا کیا تھا۔ شیراز کی تباہی اور بربادی اہل شہر کا قتل اور غارت ہو۔ دیکھ کر شیخ کا بھی دُرُتہ گیا اور اُس نے عزم بالجزم کر لیا کہ چاہے کچھ ہی ہو ترک وطن کرنا بہتر ہے اور واقعی شیخ نے بہت اچھا کیا۔ کیونکہ مفسدین شیراز کو اکشر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے اور ایسی حالت میں تحصیل علوم کی فرصت شیخ کو وطن میں ملنی دشوار تھی۔

یہی عقیدہ رکالچ جیسے کسئی مانہ میں دوہزار طالب علموں کی میسر بہار تھی۔ جہاں ہیئت ریاضی منطق فلسفہ کی قابل تعریف تعلیم ہوتی تھی ان دنوں بدقسمتی سے متعصب لوگوں کا زیرِ مشق ستم تھا۔ جنہوں نے رفتہ رفتہ ان روشن علوم کی تعلیم کو یکلخت موقوف کر دیا اور پیر و فیسروں کو یا تو نہ ہر دے کر مار ڈالا یا علانیہ کفر کا فتوے شائع کر کے قید اور قتل کر دیا۔ کالج کے اُکروں میں جہاں کسی زمانہ میں علوم کی روح پروں پر چلتی تھی کج بچشوں اور خرافات باتوں کی آندھی چلنے لگی۔

کہتے ہیں کہ جس وقت شیخ پہلے پہل اس مدرسہ میں گیا۔ اُس وقت پرنسپل صاحب بہشت کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔ اثناء وعظ میں مولانا نے

حور و قصور کے مضمون کو ایسی فحش عبارت میں بیان کیا کہ شیخ کی طبیعت اچھا ہو گئی اور وہ وہاں سے چلا آیا۔

غرض ان پیرحم اور متعصب لوگوں نے اس مدرسہ کی جنگو انہوں نے بعد ازاں بیت المحرم نہ لیا تھا۔ اینٹ سے اینٹ بجادی اور بہت جلد چاروں طرف اُلو بول گیا۔ شیراز میں شیخ کا اُستاد سید علی قاری تھا۔ اس شخص کی زبان میں لکنت اور لیاقت علی بھی واجب ہی تھی۔ مگر وہ پسندی کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے روبرو فرشتہ کی بھی حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ اسکی مانیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو عقل کل اور ہمہ دان جانتا تھا اور ہر شخص کو جاہل کہا کرتا تھا ایک دن شیخ نے دریافت کیا کہ قبلہ دنیا میں کوئی عالم بھی ہے۔ سید علی نے جواب دیا کہ ہاں۔ ایک یس اور ایک خضر علیہ السلام۔

اگرچہ محبت وطن ایسی شے ہے کہ انسان اُس سے کبھی غالی نہیں ہوتا پانچ مثل مشہور ہے کہ:۔ جبُ طن از ملک سلیمان خوشتر لیکن شیخ کے دل میں تحصیل علوم کا شوق کچھ اس زور پر تھا کہ اُس نے تمام خیالات دل سے بھلا دیئے۔ سب تعلقات کو بالائے طاق رکھا اور بیک بینی و دو گویش یہ اشعار پڑھتے ہوئے بغداد کی راہ لی۔

دل از محبت شیراز بکلی بگرفت ۱۰ وقت آنست کہ پُرسی خیر از بغدادم
تغیا یا حب وطن گرچہ حدیث صحیح ۱۰ نتوان مرد بہ سختی کہ من انجیب از آدم
شیخ تو کچھ عرصہ پہلے ہی وطن سے رخصت ہو گیا ہوتا مگر صرف مانتا بہر ہی
ماں کی محبت اُسے کچھ نہ کرنے دہرے دیتی تھی۔ غرض جب والدہ کا انتقال ہوا
پھر شیراز میں اُسکو ایک پل قرار نہ آیا اور فوراً بغداد کی راہ لی۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شیخ بیک بینی و دو گویش شیراز سے رخصت ہوا۔ اسکا سارا رخت نہ ایک کتابوں کا بستہ تھا۔ اسی بستہ میں وہ قرآن شریف بھی تھا جو اسکو مولانا مصلح الدین نے دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ اسکو میری یادگار سمجھنا۔

اور کبھی اپنے پاس سے جدا نہ کرنا۔ یہ مصحفِ محمدِ حیرت پر سنہری حرفوں سے لکھا ہوا تھا جس قافلہ کے ساتھ شیخ قطعِ منازل کر نیکا ارادہ کر کے روانہ ہوا تھا۔ اس ایک ہی منزل پر علیحدہ ہو گیا۔ کیونکہ شیخ کو ایک سخت مرض نے آدیا۔ جس سے وہ گیارہ دن تک بیہوش ایک گانوں میں پڑا رہا۔ شیخ کی بیماری گانوں کی ایک عورت کرتی تھی جس کے اُنکل بچہ علاج سے اللہ نے اُسکو شفا بخشی +

شیخ بچپن ہی سے عذب البیان اور شیریں زبان تھا جب یہ گانوں سے رخصت ہونے لگا تو گانوں والوں کو اسکی جدائی کا سخت قلق ہوا۔ انہوں نے شہد۔ نیر۔ کباب اور روٹیاں شیخ کو دیں اور کہا کہ ان کو ساتھ لے جاؤ۔ سفر میں کام آئیں گے۔ مگر شیخ نے کہا کہ مجھے معاف رکھو میرا ہر دسہ تو کُل پر ہے۔ وہ رازق جو پتھر میں کیڑے کو رزق دیتا ہے مجھے کسی صورت میں بھوکا نہیں رکھیں گا اس قدر بوجھ کے ساتھ مجھے چلنا دُور ہو جاوے گا۔ یہ ہے ۔

سینکڑوں کوس سے رزق اڑ کے چلا آتا ہے

پر لگا دیتا ہے رزاق مرادانے کو

سعدی گانوں سے رخصت ہو کر تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ سامنے سے ایک گروہ قزاقوں کا نمودار ہوا۔ جنہوں نے اسکو گھیر لیا اور گھر کر لوئے کہ جو رکھتا ہے حوالہ کر دے۔ شیخ نے فوراً اپنی کتابوں کا بستہ اُن کے سامنے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں طالب علم ہوں اور جو کچھ میرا مال متاع ہے وہ یہ بستہ ہے۔ اس میں سے جو کتاب تمہارے پسند ہو لے لو اور اپنے بچوں کو پڑھاؤ۔ شیخ کی بھولی بھالی باتوں نے قزاقوں کو گرویدہ بنا لیا۔ انہوں نے بجائے رہزنی کے شیخ کا بستہ اٹھا لیا اور ایک فخر اسکی سواری کے لئے بھی لادیا اور دُور در دُور رہنائی کے لئے اس کے ساتھ کر دئے +

یہ تینوں شخص خوشی خوشی چلے جا رہے تھے کہ دفعتاً آسمان کے میدان پر عناصرِ سوگرم صاف ہوئے۔ ہوا اس تیزی سے چلنے لگی کہ بڑے بڑے مضبوط

پیر شیخ دین سے اُٹھ گئے۔ ناچار بیٹوں کو ایک درخت کے تلے ایک غار میں
 بیٹھنا پڑا۔ شیخ قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گیا۔ یکا یک اس کے دو رفیقوں میں سے
 ایک نے مین پر گر کر ترپنے لگا۔ اور تھوڑی دیر میں اُسکا جسم جگہ جگہ سے پھٹ گیا
 اور اُس میں سے نیلا نیلا پانی بہنے لگا۔ سعدی نے اس کو اس عذاب کے
 ساتھ مرتے دیکھ کر اپنے دوسرے رفیق سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے
 اُس نے جواب دیا کہ اصل میں یہ اصغمان کے قاضی القضاۃ کا بیٹا ہے محبت
 بدکی بدولت اس نے اپنے باپ کو قتل کیا اور پیشہ قناعت اختیار کیا۔ یہ شخص بڑا
 سفاک ہے سینکڑوں اس کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ مگر اس شخص کی پیشانی پر
 بل نمک نہیں آیا۔ سعدی نے کہا انسان کو مکافات عمل سے غافل نہیں رہنا
 چاہئے۔ یہ سن کر سعدی کا دوسرا رفیق بھی بیٹھا یا اور کہنے لگا کہ یا رگناہ تو میرے
 ہاتھ سے بھی بہت ہوئے ہیں۔ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اتفاقاۃً ابھی یہ گفتگو
 ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ہوا کے تیز اور تیز جھونکے سے جس ڈال کے تلے وہ شخص بیٹھا
 ہوا تھا ٹوٹ کر اُس کے اوپر گر آئے۔ گرتے ہی دو لوہے پڑے۔ لیاں اُسکی ٹوٹ گئیں اس
 اثناء میں وہاں چند فوجدار بھیڑے آ گئے اور معاً اُسکو پیر پھاڑ ڈالا۔ سعدی
 یہ سنا دیکھ کر ہلکا ہوا اور اس سے اُسکو بڑی عبرت اور نصیحت حاصل ہوئی
 غرض جب طوفان کی تندی کم ہوئی تو وہ بغداد کی جانب روانہ ہوا۔

دوسرا باب

شیخ کی علمی استعداد۔ طبعی عادات اور دیگر حالات

(شیخ علیہ الرحمۃ کی تصویر ملاحظہ ہو)

شیخ دراز قامت۔ صحیح المزاج۔ قوی اور جفاکش آدمی تھا۔ اس کا سبھی کا

عموماً اہل لیاقت کا دیکھا گیا ہے بہت بڑا تھا۔ اسکی پیشانی فراخ اور ہوشمندی کے نور سے روشن تھی۔ رنگ سرخ و سینہ ہیا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں ریش مبارک منبہ اور پونچھیں گہنی اور لمبی لمبی تھیں۔ اس کے چہرہ سے جمال اور تمکنت ظاہر ہوتی تھی اور لبہ سے رعب داب برستا تھا۔ شیخ کا سینہ بہت فراخ تھا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ یہ عام لوگوں سے زیادہ قوی تھا۔ قشخ کا لباس عموماً قدیم ایرانیوں کا سا ہوتا تھا۔ سر پر کلاہ پہا یا بہاری عمامہ۔ گلے میں عربی یا ایرانی جبتہ۔ اور پانوں میں شرعی پاجامہ۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی رومی کپڑے پہن لیتا تھا اور کبھی یونانی ڈریس۔ اس کا قول تھا کہ درویش صفت باش و کلاہ تتری وار۔

شیخ چونکہ اکثر سیر و سیاحت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے ایک ہاتھیں کشکول اور دوسرے ہاتھ میں تبر بھی رکھتے تھے۔

شیخ ہمیشہ نئے نئے رنگ بدلتا رہتا تھا اور ہر رنگ میں چمکتا تھا۔ کبھی تو وہ فقر اور مشایخ کے حلقوں میں متکف دیکھا جاتا تھا۔ کبھی وہ بادشاہوں کے دربار میں درویشانی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ کبھی وہ احرار و ابرار کی محبت سے مستفیض دکھائی دیتا تھا۔ اور کبھی رندوں اور بدستوں میں باتیں کرتا سنا جاتا تھا۔ شراب خانہ میں وہ بید ہڑک چلا جاتا تھا۔ بُت خانوں میں وہ بے کٹکے داخل ہو جاتا۔ غرضیکہ یہ بزرگوار عجب معجون مرکب تھا۔ جامع بلبلیک میں اس نے دعائے سناٹے۔ تمنائے میں پرشاد اس نے اڑائے۔ فلسطین کی بستیوں میں ستھائی اس نے کی۔ بقرہ کے نخلستان میں کجوریں اس نے چکھیں۔ غرضیکہ اس نے اپنی تمام عمر خصایل انسانی اور نیکی روزگار کے مطالعہ میں صرف کردی اور واقعی ہنس و ہنسی اور خوش اسلوبی سے اخلاق بشری کی جو تصویر شیخ علیہ السلام نے کینچی وہ آج تک ہر چند کہ زمانہ سینکڑوں برس آگے نکل آیا ہے اور اس عرصہ میں بے شمار ترقی ہوئی لیکن کسی نے نہیں کینچی۔

جب شیخ یکہ دتہا بے یار و مددگار شیراز کو خبر باد کہہ کر عین رات میں پہنچا
تو سب تعلقات کو چھوڑ کر اور سب یار آشناؤں سے منہ موڑ کر دن رات تحصیل
علوم میں مشغول ہو گیا۔ بعد ازاں کے مشہور مدرسہ نظامیہ کی اس وقت دور دور
شہرت تھی۔ گویا یہ اس زمانہ کی کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹی تھی۔ یہ مدرسہ
خواجہ نظام الملک طوسی نے ۸۵۹ھ میں بنوایا تھا اور اس مدرسہ کی شہرت کا
یہ عالم تھا کہ جو شخص یہاں سے تحصیل علوم کر کے نکلتا تھا۔ وہ اس زمانہ کا مستند
معتبر مسلم الثبوت اور سند یافتہ عالم سمجھا جاتا تھا۔ اس مدرسہ میں اہل شیراز کے
ساتھ خاص رعایت کی جاتی تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس کا پہلا متولی ابو اسحق
شیراز کا باشندہ تھا۔ یہ رعایت شیخ کے حق میں از بس مفید ہوئی اور
وہ اسی مدرسہ میں داخل ہو گیا۔ شیخ چونکہ قدرتاؤہین تھا۔ ذہانت۔ شوق اور
محنت کی بدولت مہینوں میں وہ کام کیا جو کوئی اور شخص برسوں میں بمشکل کر سکتا
کہتے ہیں شیخ جس کو بچپن سے شب بیداری کی عادت تھی۔ دن رات میں
بمشکل تین گھنٹہ سوتا تھا اور ہر وقت مطالعہ کتب میں مشغول رہتا تھا۔ پانی پینے میں
یہ پڑھتا جاتا تھا۔ کھانا کھاتے میں یہ پڑھتا تھا۔ لیٹے ہوئے یہ پڑھتا تھا راہ چلتے
ہوئے یہ کتاب دیکھتا تھا۔ غرضیکہ جس وقت یہ پڑھتا تھا کوئی مطالعہ نہ کرتا تھا
چنانچہ اس نے خود کہا ہے

پئے علم چون شمس باید گداخت
کہ بے لگتو ان خمدار آشناخت

جب استادوں نے شیخ کی روز افزوں ترقی۔ محنت اور ذہانت دیکھی۔ تو وہ اسکی
طرف خاص توجہ کرنے لگے۔ اور مدرسہ کے متولی نے اس کا وظیفہ بھی مقرر کر
دیا۔ مدرسہ نظامیہ میں اس وقت حدیث اور تفسیر کا پروفیسر علامہ ابو الفرج
عبدالرحمن ابن جوزی تھا۔ جسکی نسبت ایک عجیب حکایت مشہور ہے۔ کہتے
ہیں کہ جب شخص مرنے لگا تو اس نے اپنے لواحقوں اور شاگردوں کو

بلایا اور ایک کبھی ان کے حوالہ کی اور کہا کہ یہ فلاں متفضل حجرہ کی کلیہ ہے جب میرا مرغ روح قفس غفری سے پرواز کر جائے تو اُس حجرہ کو کھولنا۔ اُسے ان قلموں کا تراشہ بہرا ہے جن سے میں نے حدیث لکھی ہے۔ میرے غسلِ میت کے لئے اسی تراشہ کو جلا کر پانی گرم کرنا۔ چنانچہ اُسکی وصیت کی تعمیل ہوئی لیکن وہ تراشہ اس قدر تھا کہ پانی بھی گرم ہو گیا اور پھر بھی بچ رہا۔ یہ پروفیسر شیخ علیہ الرحمۃ کے حال پر نہایت مہربان تھا اور کہا کرتا تھا کہ سعدی تو ضرور ملک شہرت کو تسخیر کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس صاحب کمال کی محبت سے شیخ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ گلستان میں صحبت نیک کی تعریف میں ایک موقع پر شیخ نے لکھا ہے۔

جال ہمنشین در من اثر کرد

وگر نہ من ہاں خاکم کہ ہستم

شیخ کو وجد و سماع کی مجلسوں میں شریک ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اور سرودِ شیخ کیجاں تھا۔ چاہے بارش ہو یا آندھ ہی چلے۔ شیخ وجد و سماع میں شریک ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ شیخ ابو الفرج بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو اسکے مربی تھے اسکو منع کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بہانی ایسی محفلوں سے احتراز لازم ہے۔ جو انی کے عالم میں انسان بہت جلد بگڑ جاتا ہے۔ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تم خلوت اور عزلت اختیار کرو۔ مگر شیخ کا ابنِ دلوں عالم شباب تھا اور قولِ شخصہ ”نصیحت صیقل زنگار عشق است“ جس قدر وہ منع کرتے تھے اتنا ہی اُس کا شوق زیادہ ہوتا تھا۔ کیونکہ طبیعت اس طرف رجوع تھی۔ ایک دن اس کے ایک دست کے ہاں تو اُلی تھی۔ شیخ کے نام بھی رقعہ آیا۔ شیخ نہایت خوش خوش مدرسہ سے رخصت لیکر واپس گیا۔ راہ میں جب شیخ ابو الفرج بن جوزی کی نصیحت یاد آئی تو یہ شعر پڑھ کر دل کو تسلی دی۔

قاضی ابراہیم الشیخ برفشاں دست را بہ محبت گریختے خوردم معذور دارم دست را

اس مجلس میں جو قوال بلایا گیا تھا وہ بلا کا کریمہ الصوت تھا۔ اُس کا نام وافق کھن برگ جان کو کاٹنا تھا اور جب وہ گلا پہاڑ کرتا تو بلا مبالغہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص ماتم پدیری میں مصروف گریہ دیکھا ہے۔ شیخ نے صاحب خانہ کی منت کی کہ برائے خدا مجھے اس بلائے بہریم سے خلاصی دو۔ ورنہ صبح ہونے سے پہلے میں بہرہ ہو جاؤنگا۔ دوست نے جواب دیا کہ یہ خلاف تہذیب ہے۔ تم سب یاروں کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ غرض شیخ نے خدا خدا کر کے وہ رات اُس مکروہ محبت میں بسر کی۔ جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے سر سے عمامہ اتارا اور جب سے ایکے بنار نکالا اور یہ دونو چریں قوال کے نذر کیں۔ اجاب کو اس حرکت پر تعجب آیا شیخ نے کہا کہ میں نے آج اس بزرگوار قوال کی ہربانی سے ہمیشہ کے لئے سماع سے توبہ کی۔ اسلئے یہ ہدیہ احقر اس بڑی ہربانی کے عوض میں پیش کیا *

اگرچہ شیخ علیہ الرحمۃ نے علم تصوف شیخ شہاب الدین سہروردی سے حاصل کیا اور ایک دفعہ سیرور یا میں اُن کے ہمراہ رہا۔ مگر مدرسہ کی محبت سے تصوف اور مدولیشی کے خیالات اس کے دل میں مدہم پڑ گئے تھے اور وہ بہت سا وقت حدیث و تفسیر وغیرہ میں صرف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے گلستان میں لکھا ہے کہ مدرسہ کو خانقاہ پر اسلئے ترجیح ہے کہ درویش صرف اپنی جان بچانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور علماء یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی ہمت اور کوشش سے دُور کسی بھی جان بچے۔

ایک روزہ کا ذکر ہے کہ کسی نے اُس سے پوچھا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ اس سے پہلے تو یہ ایک گروہ تھا جو ظاہر اُپریشان تھے اور باطن میں ”جمع“ اور اب وہ ایک ایسا گروہ ہے جو ظاہر میں ”جمع“ اور باطن میں پُریشان اور پھر یہ قطع پڑے۔

چوہر ساعت از تو بجاے رود دل بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
دور مال و جاہست و زرع و تجارت چو دل با خداست خلوت نشینی

واضح ہو کہ تصوف وہ علم ہے کہ اس میں ذات و صفات باری تعالیٰ کی بابت بحث کیجاتی ہے۔ تاکہ عمل صالح سے خدا کو حاصل کریں۔ اس کا موضوع ذات و صفات خداوند تعالیٰ ہے اور اس علم کی غایت یہ ہے کہ عمل صالح سے فضائل باطنی نصیحت ہو۔ پس شیخ سے سائل کے سوال کا یہ مطلب تھا کہ وہ کیا چیز ہے کہ جس سے تصوف تحقیق ہو سکتا ہے اس کا جواب شیخ نے یہ دیا کہ تصوف عمل صالح سے تحقیق ہو سکتا ہے جسے انسان ظاہر پر نشان معلوم ہوتا ہے۔ مگر باطن میں اُسے جمعیت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ساتھ ہی شیخ نے یہ کہہ دیا کہ آجکل الٹا جال ہے یعنی لوگ نمازیں پڑھ کر اور روزہ رکھ کر دکھاوا کرتے ہیں اور ظاہر یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کی خاطر جمع ہے۔ مگر باطن میں پر اگند خاطر ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں تصوف کے خیالات سے اُس کا دل اُچاٹ ہو گیا اور اس طرف اس کی چنداں رغبت نہ تھی۔ مگر یہ خیالات شیخ شہاب الدین سہروردی کی وفات کے بعد اسکے دل سے اُترے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے شیخ مرحوم ہمیشہ اُن کی خدمت میں رہا۔ شیخ شہاب الدین کی وفات ۷۳۲ھ میں واقع ہوئی۔ یہ شیخ بڑا فاضل متبحر گزر رہے اور اُس زمانہ میں یہ لاثانی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مرنے کا شیخ کو سخت قلق ہوا اور ان کے بعد اس کو کوئی ایسا صاحب کمال نظر نہ آیا جو ان کی صفات سے متصف ہو اور جو اُن کی طرح اسکے ادق شکوک کی تشفی کرے اور غالباً یہی بڑی وجہ تھی جس سے اُس کے دل سے قریب قریب درویشی اور تصوف کے خیالات دور ہو گئے تھے +

شیخ کی زیادہ تر نشست برخواست علامہ ابوالفتح عبد الرحمن ابن جوزی کے پاس تھی اور یہ بھی اسکے حال پر نہایت شفقت اور مہربانی فرماتے تھے ایک دن کا ذکر ہے کہ سعدی غصّہ میں بہرا ہوا اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ فلاں طالب علم ہمیشہ میری بدگوئی کیا کرتا ہے۔ میں نے بار بار اُس کو سمجھایا ہے

مکروہ باز نہیں آتا۔ آپ اسے منع کر دیں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ سعدی اس وقت طیش میں بہرا ہوا تھا۔ اُس وقت جو منہ میں آیا کہہ گیا۔ علامہ ابن جوزی خاموش اور سرتنگوں بیٹھے سب کچھ سنا گئے۔ جب اس کا غصہ فرو ہوا تو کہنے لگے کہ فلاں شخص کیا واقعی تیری بدگوئی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا واللہ اس میں کچھ کلام نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ بہتر ہے تم اسکی تعریف اور توصیف کیا کرو۔ دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ۔ وہ خود ہی شرمندہ ہوگا۔ اگر تم اس سے بدلہ لو گے یا اسکی بدگوئی کر دگے تو جیسا قصور دار وہ ویسے تم کو اُس پر خاک بھی ترجیح نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ تم اسکو ایسی حکمت عملی سے خوش کرو کہ سانپ بھی مرے اور لالھی بھی بچے۔ سعدی نے انکی نصیحت کو تسلیم کیا اور ان کے فرمانے کو دل و جان سے قبول کیا اور اسی معاملہ کو اُس نے گلستان میں ایک آؤ پریرایہ میں بیان کیا ہے :

شیخ طالب علمی کے زمانہ سے عذب البیان اور طلیق اللسان تھا کہتے ہیں کہ اسکی خوش بیانی اور حسن تقریر پر مدرسہ نظامیہ کے طالب علم رشک کرتے تھے اور اُس سے سید ہے منہ بات نہیں کرتے تھے۔ شیخ جو عالم شباب میں تھا یہ بات کب برداشت کر سکتا تھا۔ اکثر اُن سے لڑتا۔ جھگڑتا رہتا تھا ایک دن نہایت بیزار ہو کر ابن جوزی کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میری جادو بیانی نے میرے سینکڑوں دشمن پیدا کر دیئے ہیں۔ میری تقریر دلیپذیر سے مدرسہ کے طالب علم جل ہُن کر کباب ہو جاتے ہیں اور رشک اور حسد کے مارے ہر روز مجھ سے لڑتے ہیں۔

تو ائمہ انیکہ نیاز ارم اندرون کسے

حضور اچہ کنم کو ز خود برینج درست

اور فلاں شخص تو میرا جانی دشمن ہے۔ یہ سنکر ابن جوزی نہایت

ہوا اور کہنے لگا تو رشک و حسد کی شکایت کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ

بدگوئی اور غیبت کتنا بڑا گناہ ہے۔ تم سب گنہگار بدشعار ہو۔ تو نے غیبت سے عاقبت خراب کی ہے اور اس نے رشک و حسد سے۔ یہ سنکر شیخ اپنا سامنہ لے کر چلا آیا اور پھر کبھی شکایت نہ کی۔

شیخ ۹۶ء میں مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوا اور قریباً تین سال تک وہاں داخل رہا۔ یعنی ۱۰۲۷ء میں مدرسہ سے فضیلت کی دستاویز پر کر کے رخصت ہوا۔ مدرسہ نظامیہ میں اگرچہ بڑے بڑے لایق اور فائق تعلیم پائے جاتے تھے مثلاً امام ابو حامد غزالی۔ شیخ عبدالقادر سرہوردی۔ عماد الدین علی وغیرہ۔ مگر قبولیت شیخ مرحوم کے کلام کو اور جو شہرت اس منتخب روزگار کے نام کو نصیب ہوئی وہ آج تک کسی مہضف کو میسر نہیں ہوئی اور شاید ہی آئندہ کسی کو میسر ہو۔ ہندوستان میں سچے سچے شیخ مرحوم کے نام سے واقف ہے اور یورپ کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں شیخ مرحوم کا کلام ترجمہ ہو کر شائع نہ ہوا ہو۔

کہتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں شیخ نے بعینہ اپنا دستور العمل اُس طریقہ پر مقرر کیا تھا جسکی تصریح متون نے اپنے دھرم شاستر میں برہمنوں کی زندگی کے پہلے حصہ کے بارہ میں کی ہے۔ یعنی جب شیخ مدرسہ سے رخصت ہوا۔ تو اسکی عمر پچاس برس کی ہو چکی تھی اور اُس وقت تک یہ مجروح تھا اور نفسانی لذات سے سخت پرہیز کرتا تھا۔ سوتا بہت کم تھا۔ اور غذا نہایت سادہ اور مسوکی کہاتا تھا۔ ورزش بہت کرتا تھا۔ اور کئی کوس پیدل ہر روز چلتا تھا۔ ان نیک عادتوں کے باعث اُس نے طبعی عمر حاصل کی اور بڑے پائے میں اس کے قوت ایسے مضبوط اور درست تھے کہ جوانوں کے بھی نہیں ہوتے۔

انقلاب زمانہ کو ملاحظہ کیجئے۔ ایک وہ وقت تھا کہ پچاس برس کی عمر تک انسان تحصیل علم سے بھی فارغ نہ ہوتا تھا اور اسقدر عرصہ طالب علمی میں گزار دیتا تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ پچیس تیس برس ہی کی عمر میں

انسان دادا ہوتا ہے اور وہ عمر جو اگلے وقتوں میں صرف تحصیل علوم کے لئے مخصوص ہوتی تھی اب وہ قسمت سے کسیکو نصیب ہوتی ہے *
شیخ علیہ الرحمۃ کی کم خوری اور اعتدال کی تائید اُس کے کلام سے ہی ہوتی ہے اُس نے گلستان میں اسی بارہ میں لکھا ہے ۵

اندروں از طعام خالی دار تا در و نور معرفت جینی
تھی از حکمت بعلت آں کہ پُری از طعام تا بینی
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رتم خود سیر ہو کر کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ ہوتے ہوئے خواہ مخواہ بھوکے مرتے ہو۔ جس قدر تم کھاتے ہو۔ اگر بھوکے تو شاید ہمیں تو فائدہ بھی نہ آئے۔ اسکے جواب میں شیخ علیہ الرحمۃ نے مسکرا کر یہ شعر پڑھا ۵

نور دن برائے زیستن و ذکر کردنت

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردنت

اُس شخص نے کہا یا رتم سے تو بھوک پیاس مطلق برداشت نہیں ہو سکتی ہمارا یہ اصول ہے کہ بھوکے رہنے سے سیر ہو کر مزہتر ہے۔ شیخ نے کہا یہ تمہاری سراسر غلطی ہے۔ اول تو خدا کا فرمان ہے کہ کم کھا چنانچہ کلو و اشرب و لا تسرف سے یہ بات مرشح ہوتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ آزا کر دیکھ لو جو شخص کم کھاتا ہے وہ بیمار نہیں پڑتا۔ کیا تم نے خراسانی درویشوں کی حکایت نہیں سنی۔ اُس شخص نے کہا فرمائیے۔ وہ کیونکر ہے۔ شیخ نے کہا کہ دو درویش خراسانی باہم سفر کو نکلے۔ ایک اُن میں دوسرے دن کھانا کھاتا تھا اور دوسرا دن میں دن دفعہ اتفاقاً ایک شہر میں ان کا گذر ہوا۔ وہاں اُن پر کسی نے جاسوسی کی تہمت لگائی بیچارے دونوں گرفتار ہو گئے اور بادشاہ کے حکم سے ایک کمرہ میں قید کر دیئے گئے اور اُس کمرہ کا دروازہ اینٹوں سے چن دیا گیا ایک مہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بیچارے بے گناہ ہیں چنانچہ فوراً اُن

کی رہائی کا حکم ہوا۔ مگر جب مکان کہو لا گیا تو وہ پتھر تو عدم کو سد مار چکا تھا۔ لیکن کم خور حکیم و سالمہ تھا۔
 جو کم خوردن طبیعت شد کسے را
 چو سختی بیش آمد سہل گیرد
 و اگر تن پرور است اندر فراخی
 چو تنگی بسند از سختی بمیرد
 کم کھانے کی شیخ علیہ الرحمۃ نے گلستان کے تیسرے باب میں بھی بڑی تعریف کی ہے۔ چنانچہ منجملہ اور حکایات کے ایک حکایت یہ بھی لکھی ہے کہ ایک عجمی بادشاہ نے ایک حکیم حاذق کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا اور کہلا بیجا کہ اس سے خدمت لیجائے کہ جس مرض کا علاج کسی کو نہ آتا ہوگا۔ انشاء اللہ تائے یہ کہریگا اور سوائے مرض موت کے تمام امراض پنج و بن سے اُکھاڑ دے گا حکیم صاحب بہت عرصہ عرب میں رہے۔ مگر کبھی کسی نے اُن سے درد سر کا نسخہ بھی نہ لکھوایا۔ ناچار حکیم صاحب رسول مقبول کی خدمت میں گئے۔ اور شکایت کی کہ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیجاتی۔ آنحضرتؐ نے مسکرا کر فرمایا واقعی آپ کی ضرورت یہاں والوں کو بہت کم پڑے گی۔ اس لئے کہ یہ لوگ تاوقتیکہ خوب ہوک نہ لگے۔ کھانے پر نہیں بیٹھتے اور اشتہا باقی ہوتی ہے کہ کھانے سے اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ اس لئے یہ بیمار نہیں ہوتے۔ پس جبکہ یہ تندرست ہیں تو حکیم کی انہیں کیا ضرورت ہے۔ حکیم صاحب نے یہ بات تسلیم کی اور عجم کو واپس ہوئے۔

فرشتہ نوئے شود آدمی بہ کم خوردن
 و اگر خورد چو بہائم بیوفتد چو جمہاد

لکھو پی ڈیا برٹینے کا میں یہی لکھا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں شیخ علیہ الرحمۃ نہایت پرہیزگار اور کم خور تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا تھا اور ہمیشہ چاق و بوند رہتا تھا۔

اگرچہ شیخ بلا کا خوش بیان تھا۔ مگر اُس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاموشی کو نہایت پسند کرتا تھا اور جب تک ضرورت نہ پڑے ہرگز کلام نہ کرتا تھا۔ شیخ مہر موم ایک صاحب بصیرت آدمی تھا۔ اس نے اپنی تمام عمر خصایل انسانی اور نیرنگی زمانہ کے مطالعہ میں صرف کی۔ اس نے حوادث و واقعات روزگار سے ایک عمدہ سبق حاصل کر لیا تھا۔ اور اسکے دل میں یہ بات جھلکتی تھی کہ انباء جنس کی خیر اندیشی اور نصیحت۔ قوم کی دلسوزی۔ بادشاہوں کی اصلاح۔ رعایا کی ہمدردی سے بہتر کوئی شے نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے اس عزم کو کامیابی کے ساتھ سرانجام دیا اور اپنے قلم اور عمر کو ہر طبقہ کے لوگوں کی بہلائی کے لئے وقف کر دیا۔ حسن اتفاق سے شیخ کو ایسے ایسے موقع ملے اور ایسے ایسے اتفاق جمع ہو گئے کہ جن سے اُسکی ذاتی قابلیت کو اپنے جوہر دکھانے کا اچھی طرح موقع ملا اول تو وہ دارالعلم میں پیدا ہوا جو ایک مردم خیز خطہ تھا۔ دوسرا یہ کہ اُسکی بیٹی اُسکی ترقی اور رشد کا باعث ہوئی۔ کیونکہ بیکسی کی حالت نے اُسے غیر تمند اور جفاکش بنا دیا۔ تیسرا یہ کہ غوثی قسمت سے جس مدرسہ میں وہ داخل ہوا۔ وہ کُل مدارس اسلامیہ میں منتخب اور ممتاز تھا۔ چارم یہ کہ اُس نے ایسے ایسے صاحب کمالوں عالموں اور حکیموں کی صحبت میں نشست و برخاست اختیار کی۔ جو اپنا فیض آپ ہی تھے۔ مثلاً علامہ ابن جوزی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی۔ مولانا جلال الدین دہلی۔ قاضی ابن خلکان۔ علامہ قطب الدین شیرازی وغیرہ۔ جہاں کہیں وہ گیا وہاں کے علماء و صلحاء مشایخ اور کالمین سے ملا۔ ایسی ایسی عمدہ صحبتوں کا میسر آنا بھی ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہے۔ پنجم یہ کہ اُس نے دُور و دراز کے سفر اختیار کئے اور دنیا کے عجائبات اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھ کر ایک وسیع تجربہ حاصل کیا۔ ششم یہ کہ اُس نے سلطنتوں کے پے درپے انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات مشاہدہ کئے۔ لاکھوں اس کے دیکھتے دیکھتے بن گئے اور کروڑوں بن بن کے

بگڑ گئے۔ اسکی آنکھوں کے سامنے امیر فقیر ہو گئے اور روستا بے زاد سے وزیر بن گئے خاندان کردیہ کا چراغ اُس کے روبرو گل ہوا۔ سلجوق اور خواہرزم کی معرکہ آزمائی اُسکے سامنے ہوئی۔ خواہرزم کی شمع سلطنت اُسکی نظروں کے آگے تلخایوں کی ہوائے اقبال سے گل ہوئی۔ دمشق اسکندریہ اور مصر کے خوفناک قحط میں فاقہ کشی اُس نے کی امراء کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں ضیافتیں اس نے کھائیں چنانچہ ان تمام اسباب سے بنی نوع انسان کی دلسوزی اور ہمدردی اور خلقت خدا کی خیر خواہی اور بہبودی اُسکی سرشت میں ہمیشہ کے لئے تمکن و جاگزین ہو گئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کا کلام جو سچے جوش کا نتیجہ تھا۔ مقبول خاص و عام ہوا۔ گلستان میں اس نے ایک لاجواب قطعہ لکھا ہے جس کے دو شعر اس مضمون کے مطابق ہیں۔

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل اگرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان غماند
خیرے کن اسے فلان و غنیمت شمار عمر زان پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں غماند
شیخ مرحوم میں انسانی ہمدردی کا اس قدر جوش تھا کہ وہ بسا اوقات اپنا ذاتی نقصان اوڑوں کے فائدوں کے لئے برداشت کر لیا کرتا تھا۔ اسکا یہ اصول تھا کہ دنیا میں سب انسان بھائی بھائی ہیں یا یہ کہ خلقت خدا سبحان مجموعی ایک جسم ہے اور مختلف فرقے اس جسم کے مختلف اعضاء ہیں۔ اگر ایک جزو کو نقصان پہونچے تو سراسر کل کا نقصان و زیان ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔
بنی آدم اعضاءے یکدیگر اند کہ در آفرینش زیک جو ہر اند
چو عضوے بدرو آور و روزگار نماند و گر عضوے مارا قصار
تو کہ محنت دیگر اس بنی۔ نشاید کہ نامت ہند آدمی

شیخ علیہ الرحمۃ کا دستور تھا کہ ہر محفل میں جا کر شریک ہوتا۔ شرانجانوں میں جانے میں اُسے عار نہ تھا او باش و آوارہ لوگوں کی محفل کا تماشائی بننے میں ننگ یا کسر شان نہ سمجھتا تھا۔ ایک دن چند دوستوں نے اُسکو

منع کیا کہ حفظ مراتب انسان میں ضرور ہونا چاہئے اور کمینوں اور ردیوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ سعدی نے جواب دیا کہ آپ نے شاید لقمان کا قول نہیں سنا کہ کسی نے اُس سے پوچھا تھا کہ تو نے ادب کس سے سیکھا؟ لقمان نے جواب دیا ”بے ادبوں سے“ جو بات مجھے اُن کی پسند نہ آئی وہ میں نے چھوڑ دی اور اُس سے پرہیز کیا۔ چنانچہ میرا بھی یہی اصول ہے۔

تمتع زہر گوشہ یا فتم
زہر خرمے خوشہ یا فتم

شیخ نے خیرات لینے میں کبھی عذر نہیں کیا جب کبھی کوئی اسے کچھ دیتا تھا وہ فوراً لے لیتا تھا۔ مگر خیرات یا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے یا صرف اپنا ہی پیٹ پالنے کے لئے نہیں لیتا تھا۔ اس سے یہ اُوروں کو بھی فائدہ پہنچاتا تھا۔ ایک دن اس سے ایک شخص نے سوال کیا کہ خیرات کی روٹی کے بارہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟ جواب دیا کہ اگر روٹی جمعیت خاطر کے لئے لیجاوے تو حلال ہے اور اگر مال جمع کرنے کے لئے لیجاوے تو حرام ہے۔

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند
صاحب دلاں نہ کنج عبادت برائے نان

شیخ کی طبیعت میں اگرچہ خاکساری بہت تھی مگر وہ خود داری حفظ مراتب اور پابندی وضع کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ اسکندر یہ میں سخت قحط پڑا۔ اس آفتِ ارمی و سماعی میں جو سختی و رویشوں پر گزری اسکا ذکر ناگفتہ بہ ہے فقط کیا تھا۔ ہنگامہ محشر تھا۔ ایک ایک روٹی ہزار ہزار دنیا رکھ بک گئی اُس زمانہ میں شیخ اسکندر یہ میں تھا اور طرح طرح کی معیبتیں اُٹھا رہا تھا اسی شہر میں ایک خواجہ ہراتا جو نہایت دولت مند تھا۔ اسکے ہاں سے غریبوں اور پردیسیوں کو کھانا اور نقدی ملا کرتی تھی۔ شیخ کے رفقاء اسکے پاس

آئے اور اس سے کہا کہ چلو اُس شخصے کی دعوت میں چلیں۔ مگر شیخ نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ شیر ہو کہ کے مارے مر بھی جائے لیکن کتے کا جھوٹا کتبی نہیں کہتا۔
بیشک ۵

دونوں از دست، دونوں جہاں باشد سناں خوردن
سناں در سینہ خوردن بد کہ از دونوں دونوں خوردن
شیخ کی طبیعت حسن پرست بھی بہت تھی کیونکہ خوبصورتی تندرست روح کی
خدا ہے۔ اسلئے وہ خوبصورت آدمیوں سے بہت محبت و پیار کرتا تھا۔ ایک دن
یہ اپنے حجرہ میں بیٹھا چراغ کی روشنی میں مطالعہ کتاب کر رہا تھا کہ اُس کا
ایک دوست چو یوسف جمال اور مجتہ خصال تھا۔ اُن کے ملنے کے لئے آیا۔ سعدی
اسکو دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گیا اور فوراً تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اُنھنے میں
ہلکی آستین سے چراغ گل ہو گیا۔ سعدی نے کہا مر جا اور خوش آمدید کے بعد
اُسے تپاک سے بٹھایا اور اُس کے آنے پر بہت مسرت ظاہر کی۔ شیخ کا دوست
بیٹھ گیا لیکن اُسے خیال پیدا ہوا شیخ نے دانت چراغ گل کر دیا ہے۔ اس پر آؤ وہ
ہوا اور کہنے لگا تو نے چراغ کیوں بڑھا دیا۔ سعدی بھی تھا حاضر جواب۔ کہنے لگا
میاں خفانہ ہو۔ دیا بڑھانے کے دو سبب ہیں۔ ایک تو آپ کے آنے سے میں نے
سمجھا کہ آفتاب طلوع ہو گیا اور دوسرا یہ کہ مجھے یہ قطعہ یاد آ گیا ۵

چوں گرانی بہ پیش شمع آید۔ خیرش اندر میان جمیع بکش
ور شکر خندہ است و شیریں لب؟ آستینش بگیر و شمع بکش
گلستان کے تیسرے باب میں سعدی ایک جگہ کہتا ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر
ہے کہ جوانی کے عالم میں ایک کوچہ میں میرا گزر ہوا۔ انداز میں گرمی کا یہ
عالم تھا کہ چیل اندا اچھوڑتی تھی اور حدت آفتاب سے ہرن کالے ہوئے
جاتے تھے اور پیاس کے مارے میرا حالی غیر تھا۔ زبان پر کانٹے پڑے ہوئے
تھے اور ہونٹ سوکھ گئے تھے۔ میں نے لاچار ہو کر ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور

پانی مانگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ایسی صورت پائی لیکر آئی کہ اگر اندھیری رات میں لب بلم پر جاتی تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اسکے ہاتھ میں ایک شربت کا پیالہ تھا۔ جس میں گلاب کا عرق پڑا ہوا تھا مجھے یہ خیال ہوا کہ اسکے گل رخسار پسینے کا کوئی قطرہ شربت میں ٹپک پڑا ہے جس سے یہ معطر ہو گیا ہے۔ میں نے شربت کا پیالہ اسکے ہاتھ سے لیکر پیا اور دوبارہ زندگی پائی۔

خرم آں فرخندہ طالع را کہ چشم

برچنیں روئے فتد ہر بامداد

ایسی ایسی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حُسن پرست تھا۔ اسکی طبیعت میں جنگجوئی نہ تھی اور نہایت صلح کل انسان تھا۔ ایک دفعہ اسکے ایک دوست نے ایسی حرکت کی جو اسکے خلاف شان تھی اور جکے باعث سعدی سخت برا رہا مگر پھر جب اوس کا غصہ فرو ہوا تو اُس نے مفعلہ ذیل اشعار اُسے لکھ کر بھیجے اور صلح کر لی۔

نمار اور جہاں عہد وفا بود جفا کردی و بد عہدی نمودی

بیکبار از جہاں دل در تو بستم نذاشتم کہ برگردی بُزدلی

مہنوز گر سر صلحت باز آ کر اں مجلوب تر باشی کہ بودی

شیخ مرحوم کی طبیعت میں ظرافت اور مذاق بھی تھا۔ ایک دفعہ گاڑ کر ہے کہ بعد مدت کے ایک دوست سے راستہ میں دوچار ہوا اور زبان شکایت دراز کی کہ افسوس اس مدت میں نہ خود ملے نہ کوئی قاصد یا پیغام بھیجا۔ سعدی نے مسکرا کر کہا قاصد نہ بھیجے کی یہ وجہ ہے کہ میرے رشک نے یہ گوارا نہ کیا کہ قاصد تیرا جمال جہاں آرا دیکھے اور میں محروم رہوں +

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے جو شیخ مرحوم کا بڑا معتقد تھا تبریز سے پانسو دینار بطور نذر اپنے غلام کے ہاتھ شیخ کی خدمت میں ارسال کئے راہ میں غلام

نا کام نے ڈیڑھ سو دینار خود مفہم کر لئے۔ کیونکہ وہ بھانٹا تھا کہ شیخ چہشم پوشی کرے گا اور کچھ نہ کہے گا۔ شیخ نے دیکھا کہ خط میں پانسو درج ہیں اور غلام ساڑھے تین سو دیتا ہے۔ بجائے رسید یہ قطعہ لکھ دیا۔

خواجہ شریف فرستادی و مال مالت افزوں باد و خدمت پائمال
ہر بدنیا ریت سارے عمر باد تابانی سہ صد و پنجاہ سال
ایک مرتبہ خواجہ علاء الدین نے تبریز سے جلال الدین ختنی کو حکم لکھا کہ شیراز میں
شیخ سعدی کو اکھزار و دینار نذر کرو۔ مگر اس وقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا
تھا۔ اسلئے وہ رقم شیخ علیہ الرحمۃ کو نہ ملی۔ شیخ کو جب حقیقت مال معلوم ہوئی
تو یہ قطعہ لکھ کر علاء الدین کے پاس بھیجا۔

بنام صاحب یواں علاقے دولت دویں کہ دیں بدولت ایام او ہمسے ناز و
رسید و پایہ حرمت فرو دست سعدی را بسے نمائند کہ سر بر فلک برافراز و
مثال او کہ صدر رفیق جلال الدین قبول حضرت اور اتمتے ساز و
ولیک بر سر او خیل مرگ تا خستہ بود چنانکہ بر ہمہ انبا ئے دہرے تاز و
جلال زندہ نخواہد شدن دریں دنیا کہ بندگان خداوندگار بنواز و
طبع بریدم از دور سر رائے جعبی نیز کہ از مظلوم مردم بمن نہ پرداز و
یعنی میں نے جلال الدین سے آخرت میں بھی روپیہ وصول کرنے کی امید منقطع
کر دی ہے۔ بہلا اسکو دناں لوگوں کے استغاثوں سے میری طرف رجوع ہو نیکی
فرصت کا ہیکو ہو گی +

ایک دفعہ سفر کے تھکے ماندے شیخ مرحوم ایک امیر کے مکان پر گئے۔ وہاں قوت
شعر و شاعری کی مجلس گرم تھی۔ احباب جلسہ اپنا اپنا کلام سنارہے تھے۔ شیخ
صاحب سے بھی فرمایش کی گئی۔ شیخ کا اس وقت بہوک سے قافیہ تنگ تھا کہ کہنے
لگے بس ایک ہی شعر پر اس وقت اکتفا کرتا ہوں۔ سب نے کہا۔ فرمائے شیخ نے
نہ البدیہ کہا۔

من گرسنه در برابرم سفرۂ نان
 پہنچو خسریم بر در جسمام زناں
 صاحب خانہ نے اُسیوقت کہانیکا حکم دیا۔ دسترخوان بچایا گیا اور گرم گرم روٹی
 لونڈی نے لارکسی۔ شیخ روٹی پر اس طرح گرے جیسے کئی دن کے بھوکے تھے۔
 پھیرنے کہا۔ جناب ذرا توقف فرمائیے۔ کوفتہ پہن رہے ہیں۔ ابھی آتے ہیں
 شیخ صاحب ہنسے اور کہا ۵

کوفتہ بر سفرۂ من گو مباشش

کوفتہ را نان تہی کوفتہ است

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ کشتی میں سوار تھا اور ساتھ ایک عجیب غلام تھا۔
 غلام پہلے کبھی کشتی میں نہ بیٹھا تھا۔ دریا کو دیکھ کر کاپنے۔ رونے اور شور مچانے
 لگا کہ مجھے اتار دو اس غلام کی حرکات سے بادشاہ کا سار اُطف کر رہا ہو گیا۔ فرمایا
 کہ کوئی اسکو کسی طرح چپ کر آئے۔ اتفاقاً شیخ بھی اس کشتی میں سوار تھے۔ عرض
 کی کہ جہاں پناہ اگر ارشاد ہو تو بندہ حکم کی تعمیل کرے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ بڑا
 احسان ہو گا۔ سعدی نے آدمیوں کو حکم دیا کہ غلام کو پکڑ کر دریا میں ڈال دو۔
 وہاں کیا دیر تھی۔ ملاحوں نے فوراً دریا میں ڈال دیا۔ بادشاہ اور تمام اہل کشتی
 چران تھے کہ یہ کیا کیا۔ غلام جب خوب غوطے کھا چکا تو شیخ نے ملاح سے کہا کہ اسکو
 کشتی میں اُٹھا لو۔ چنانچہ ملاح نے اسکے سر کے بال پکڑ کر اُسے کشتی میں کینچ لیا۔
 جب غلام کشتی پر آیا تو نہ وہ روتا تھا نہ چیخا۔ خاموش ایک کونے میں بیٹھ گیا
 بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ سعدی نے کہا کہ قدر
 حافیت کسے داند کہ بھیتے گزرقار آید ۶

اس حکایت کی نسبت بعض کہتے ہیں کہ اُس کشتی میں سعدی خود موجود تھا
 بلکہ اُس نے ایک فرضی حکایت بطور تمثیل کہی ہے۔ مگر میں نے ایک معتبر ایرانی
 کی زبان سے سنا ہے کہ وہ ”حکیم“ حضرت ہی تھے۔ شیخ نے اکثر گلستاں اور

بوختاں میں اپنی سرگزشت اور اپنے ذاتی تجربے اور جو اتفاقات خود اسکے
 درپیش آئے۔ دوسروں کے نام سے لکھے ہیں۔ اس سے کسر نفسی مقصود ہے
 اگر وہ ان بے بند و نصائح و نکات و حکمتوں کی خود اپنی ذات سے منسوب کرتا تو ذلیل
 خود ستائی سمجھا جاتا۔ علاوہ اسکے ۵

خوشتر آں باشد کہ تبر و لبس

گفتہ آید در حدیث دیگر اں

شیخ کی علمی لیاقت کی بابت بعض کی یہ رائے ہے کہ وہ دینیات۔ علم سلوک
 علم ادب و علم مناظرہ کا فاضل تھا اور وعظ و مطائب میں نہایت مشاق تھا
 مگر فلسفہ اور حکمت میں اُسے بہت کم دستگاہ تھی۔ جن لوگوں کا یہ قول ہے
 وہ اپنی تائید میں گلستاں کی پہلی حکایت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیخ
 نے راستی اور دروغ کی مابینت اور اصلیت کو نہیں پہچانا۔ شیخ کا اصول۔
 دروغ مصلحت آمیز نہ از راستی فتنہ انگیز بالکل غلط ہے۔ شیخ کو کبھی آرخ نہیں
 اور اگر سچ سے فتنہ اُٹھے تو وہ سچ ہی نہیں۔ سچ کا کبھی یہ مقصد مدعا اور غرض نہیں
 ہوتی کہ اُس سے فتنہ اُٹھے ۶

علاوہ اسکے یہ اشخاص کہتے ہیں کہ سچ کی تعریف یہ ہے کہ کسی شے کو اُسکی اصلی
 اور حقیقی صورت میں ظاہر کرنا۔ اور کسی شے کو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت میں
 ظاہر نہ کرنا جھوٹ یا دروغ ہے۔ پس اصلیت کو اصلی اور حقیقی صورت میں
 ظاہر کرنے سے کبھی فتنہ و شر نہیں اُٹھتا۔ اور دروغ جبکی بنیاد اصلیت اور
 حقیقت پر نہیں ہے کبھی مصلحت آمیز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر بادشاہ نے نیک محضر
 وزیر کے دروغ کو پسند کیا اور راستگو وزیر کے سچ سے ناراضی ظاہر کی تو وہ بادشاہ
 عقل سے معذور تھا۔ اگر راستگو وزیر کے سچ پر اعتبار اور عمل کرتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مجرم اپنے
 اعمال کی سزا اور اپنے کیفر کو پہنچتا اور انصاف ہوتا اور کوئی فتنہ یا شر پیدا
 نہوتا۔ مگر بادشاہ نے دروغ کو ترجیح دی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مجرم اپنے سزا سے

واجب سے بچ نکلا اور عدل انصاف میں فرق آیا۔ رعب و سیاست شاہی کو مٹا
پہونچا اور قواعد اخلاق یعنی قانون کی تعمیل نہ ہوئی۔ پس اس دروغ میں ترہ
بھر بھی مصلحت نہ تھی +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری صاحب کھڑے وعظ کر رہے تھے اتنا وعظ
میں کہا کہ سعدی کی تعلیم پوچ اور لچر ہے اتفاقا وہاں ایک مولوی صاحب بھی کھڑے
تھے۔ فرمانے لگے کیوں جناب پادری صاحب پوچ اور لچر کس لئے ہے۔ پادری
صاحب نے کہا اسلئے کہ اُس نے لکھا ہے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ
انگریز۔ صاف دروغ کو راستی پر ترجیح دی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا قبلہ پہلے
ایک سوال کا جواب دے لیجئے۔ پھر میں اس معاملہ میں گفتگو کروں گا انہوں نے
کہا فرمائے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ آپ کو علماء کا غدر یاد ہے؟ اُن دنوں
میں میں دہلی میں تھا۔ وہاں جب فرنگیوں کا قتل عام ہوا تو ایک انگریز مر
میم ہمارے مکان میں آچھپے۔ ہم نے میم اور صاحب دونوں کو دیسی کپڑے
پہناوئے اور رحم کہا کہ انہیں بٹا دے۔ اتنے میں کالے شمشیر بکف فرنگیوں
کو ڈھونڈتے ہوئے ہمارے مکان پر بھی آئے اور کہنے لگے۔ یہاں کوئی انگریز
تو نہیں آیا۔ ہم نے کہہ دیا کہ ہم نے تو کسی انگریز کی شکل تک نہیں دیکھی۔ یہ سنکر
وہ چلے گئے اور بیچارے انگریز اور اُسکی میم کی جان بچ گئی۔ اب فرمائے کہ بندہ بچے
اچھا کیا یا بُرا۔ پادری صاحب اپنا سامنہ لیکر رہ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ پیشیل
درست نہیں۔ مولوی صاحب نے ایک بیگناہ انگریز کی جان بچانے کے لئے دروغ
گوئی کی۔ مگر جس نے اس حکایت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شیخ کے نزدیک جھوٹ
بولنا بُرا نہیں۔ وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ شیخ نے کہیں نہیں کہا کہ جھوٹ بولو۔
بلکہ گلستان کے آٹھویں باب میں اُس نے صاف لکھا ہے کہ جھوٹ بولنا بعینہ
مانند اُس ضرب کے ہے جس کا زخم اچھا بھی ہو جاوے تو بھی نشان نہیں

یکے راکہ عادت بود راستی خطائے رود و گزارد از د +
 و گرنامور شد بقول دروغ و گراست باور ندارد از د +
 گلستان کے باب اوّل کے عنوان سے ظاہر ہے کہ وہ باب بادشاہوں کی
 عادت کے بیان میں ہے اور آداب صحبت میں نہیں ہے۔ یہ حکایت بیان
 کر کے سعدی نے ایک بادشاہ کی خصلت بیان کی ہے کہ اُس نے وزیر نیک
 محضر کی دروغ گوئی کو اسلئے راست باز وزیر کی راستی پر ترجیح دی کہ اوّل الذکر کی
 نیت نیک پر مبنی تھی اور آخر الذکر کی نیت بدی پر تھی۔ یعنی نتیجہ اس حکایت
 کا یہ ہے کہ بادشاہوں کی نیت دیکھنی چاہئے +

جہانگیر کی تصنیف اور کلام کو میں نے دیکھا ہے۔ اُس میں کہیں بھی دروغ
 اور کذب کی تعریف نظر نہیں آئی بلکہ شیخ ایک مشہور راست باز اور راست گفتار
 شخص تھا۔ اور سچی بات کہنے سے کہی نہ چوکتا تھا چاہے وہ سنسنے والے کو کر دے
 ہی کیوں نہ معلوم ہو +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آبا قبا خان نے جو ہلاکو خاں کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا
 تھا شیخ سے کہا کہ مجھے نصیحت کرو۔ شیخ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا
 شے کہ پاس عیت نگاہ میدارد + ملال باخرا جش کہ مزد چو پانیت
 و گرنہ راعی خلق ست زہر ش باد + کہ ہر چہ میخور داند جز یہ مسلمانیت
 آبا قبا خان یہ قطعہ سُکر آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں راعی ہوں یا نہیں؟ شیخ
 نے بید ہلک کہا کہ اگر آپ راعی ہیں تو پہلا بیت آپ کے جب حال ہے ورنہ
 دوسرا بیت +

اسی طرح ایک دن شیخ دمشق کی جامع مسجد میں یحییٰ علیہ السلام کی تربت
 پر متکف تھا۔ اتفاق سے وہاں عرب کا ایک بادشاہ جو بے انصافی و ظلم میں
 مشہور تھا آپہنچا اور نماز سے فارغ ہو کر شیخ کے پاس گیا اور کہنے لگا مجھے
 ایک دشمن سخت اور ضمیم زبردست کے حملہ کا خوف ہے۔ آپ میرے حق میں

دعا کریں تاکہ خدا مجھے اس اندیشہ سے مخلصی بخشے۔ شیخ نے کہا جفا شکاری کو
 چھوڑا اور کمزور رعیت پر رحم کرتا کہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے۔
 ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
 دماغ بہرودہ بخت و خیال باطل بست
 ایک دن ایک اور بے انصاف اور ظالم بادشاہ نے شیخ علیہ الرحمۃ سے دریافت
 کیا کہ کونسی عبادت میرے لئے بہتر اور افضل ہے۔ شیخ نے کہا تیرے لئے یہی
 بہتر ہے کہ تو دوپہر تک سوتا رہا کر تاکہ اتنی مدت تک تو خلقت خدا تیرے ظلم و
 ستم سے بچی رہے۔

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز گفتم این فتنہ است خوابش برودہ بہ
 وانکہ خوابش بہتر از بیداریست آئیناں بد زندگانی مُردہ بہ
 ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ سچا اور کھرا آدمی تھا۔ وہ چھوٹے
 کوسوں بہاگتا تھا اور سچی بات مَنہ پر کہے دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سچ کو ہمیشہ راست
 ہے اسلئے وہ بادشاہ ہو یا وزیر۔ امیر ہو یا نواب۔ کسی سے نہ چوکتا تھا اور
 صاف صاف مَنہ پر کہہ دیتا تھا کیونکہ اُس کا تکیہ اس شعر پر تھا۔
 راستی موجب رضائے خداست
 کس ندیدم کہ گم شد از رُہ راست

شیخ مرحوم بڑا بااستقلال آدمی تھا۔ اُس پر بڑی بڑی تکلیفیں اور سختیاں گذریں
 اور اُس نے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ عالم غربت میں اُسے تنگی اور عسرت
 نے بعض اوقات سخت لاجا رکھا۔ مگر اس خدا کے بندہ نے دامن استقلال
 کیسی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ سفر میں نہ میرے پانوں
 میں جوتی تھی نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا میں نہایت بیدل ہو کر کوفہ کی جامع
 مسجد میں گیا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاؤں بھی نثار د
 تھے اسوقت میں نے خدا کا شکر کیا اور شکے پانوں ہی غنیمت سمجھے۔ بعض فضلاء

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سعدی دنیا دار شخص تھا اور امیروں اور بڑے بڑے آدمیوں سے وہ ذاتی طمع کے باعث میل جول رکھتا تھا۔ یہ انکی سراسر زیادتیاں ہیں چاند پر خاک ڈالو تو اپنے سر ٹپرتی ہے۔ امیروں سے میل جول و نشست و برخاست وہ محض اسغرض سے رکھتا تھا۔ کہ اپناٹے جنس کو فائدہ پہنچے۔ اس بات کی تائید جابجا اسکی تقنیف سے ہوتی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دوست سعدی کو ملنے آیا اور یہ گفتگو ہوئی:-

دوست:- کیا کروں گردش زمانہ سے ناچار ہوں۔ مرنے کو تیار ہوں +

سعدی:- خیر باشد +

دوست:- اب فاؤکشی کی طاقت نہیں رہی۔ عیال و اطفال کی تکلیف بھرد دیکھی جاتی۔ لڑکے بالے بہت سے ہیں اور آمدنی نہایت قلیل۔ کسی کسی قوت جی میں آتی ہے کہ جلا وطنی اختیار کروں اور ایسی جگہ کا لامنہ کر جاؤں کہ پھر میرے مرنے جینے کی کسی کو خبر نہ ہو

بس گر سنہ خفت و کس ندانست کہ کیست

بس جاں بلب آمد کہ بر و کس نگر کیست

لیکن ڈرتا ہوں کہ میرے پیچھے دشمن ہنسنے اور طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو کیسا بزدل اور کم ہمت تھا کہ بچوں کی پرورش نہ کر سکا اور انکو چھوڑ کر چلا گیا۔ ہم یہیں آں بے حمیت را کہ ہرگز سخا ہد و دید روئے نیک بختی تن آسانی گزیند خوشتن + زن و سرزند بگزارد بختی سعدی:- تمہارا حال سنکر بڑا قلق ہوا۔ میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو حاضر ہوں +

دوست:- آپ کو معلوم ہے کہ مجھے علم حساب میں اچھا ملکہ ہے۔ اگر آپ کی دہلی سے مجھے بادشاہ کی ملازمت بلجادیے تو ساری عمر کے لئے حلقہ بگوش رہوں +

سعدی :- مجھ آپ کے کام میں ذرہ بھی دیر بخ نہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ ملازمت
سلطانی میں دو باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اُمید نان اور ہم جان ۵

کس نیا بُد بجا نہ درویش کس خراج زمین و باغ بدہ
یا بہ تشویش و غصہ راضی شو یا جگر بند پیش زراغ بندہ

دوست :- افسوس بحث کیا تھی اور آپ کہاں جا نکلے۔ جو شخص نیک نیت
اور بے لوث ہو اور کسی قسم کی خیانت نہ کرے۔ اُسکو کیا خوف ہے۔ داناؤں
کا قول ہے کہ چار آدمی چار آدمیوں سے ڈرتے ہیں۔ خراجی۔ بادشاہ سے
چور۔ نگہبان سے۔ بدکار۔ بچکل خور سے اور فاحشہ کو تو ال سے۔ جس شخص کا
حساب پاک ہے اُسکو محاسبہ کا کچھ ڈر نہیں ۵

مکن فراخ روی و غسل اگر خواہی کہ روزِ رخ تو باشد مجالِ دشمن تنگ
تو پاک باش بر اور مدار از کس پاک زند جاہد ناپاک گا ذراں بر سنگ
سعدی :- یہ سچ ہے مگر دشمنوں کے شر سے کبھی بیخوف نہیں۔ بننا چاہئے
مانا کہ آپ دیانتدار ہیں۔ بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں۔ مگر حاسد ہر وقت
کین میں۔ ہتے ہیں۔ جب تک تریاقِ عراق سے آئے سانپ کے ڈسے ہوئے
کا خاتمہ ہو چکنا ہے۔ جب تک تحقیقات ہو دشمن اپنا کام کر جاتے ہیں۔ بہتر یہ
ہے کہ قناعت کر دو اور ہمیشہ توکل پر بہرہ ور رہو ۵

اے قناعت نو نگرم گرواں

کہورائے تو بیعِ نعمت نیست

دوست :- افسوس ہے کہ آپ مجھے ٹھالتے ہیں۔ سچ ہے دنیا مطلب کی ہے
آئندہ دوستی کا لفظ زبان سے نہ نکالنا۔ بندہ پروردوستی ٹیڑھی کہیر ہے۔ دنیا
نے سچ کہا ہے ۵

دوستِ مشمار آنکہ در نعمت زند لاف یاری و برادر خواندگی
دوستِ آندانم کہ گیر دست دوست در پریشاں حالی و در ماندگی

سعدی نے دیکھا کہ میری نصیحت کارگر نہیں ہوتی بلکہ اٹھا دوست ناراض ہوا
جاتا ہے ناچار سفارش کا وعدہ کیا۔ اکثر امراء اور وزرا شیخ کے معتقد تھے۔ اور اسکی
سفارش کبھی خالی نہ جاتی تھی۔ چنانچہ بہت جلد اس دوست کو ملازمت مل گئی
اور آسودہ حال ہو گیا۔ اگرچہ کچھ شک نہیں کہ بعد ازاں وہی ہوا جو سعدی نے
کہا تھا۔ دشمنوں نے بہتان اور افتراء پروازی کر کے بیچارہ کو نکلوا ہی دیا
مگر سعدی کی بدولت اُن کا روزگار لگ تو گیا تھا۔

پس ظاہر ہے کہ شیخ دولتمندوں اور امیروں سے زیادہ تر رفاقت اسی
غرض سے رکھتا تھا کہ اُسکی وساطت سے لوگوں کی مطلب براری ہو جائے۔
کی حاجت بر آئے اور مراد مند فائز المرام ہوں۔

چونکہ سعدی کی وساطت سے امیر و وزیر اہل غرض کی حاجت بر آری گردیتے
تھے۔ اسلئے سعدی ہمیشہ ان کی تعریف و توصیف میں سرگرم رہتا تھا اور اُن کی
شان میں قصائد کہا کرتا تھا۔ اور اگر کوئی ان کو بُرا کہے تو سعدی اُس سے بحث
کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک درویش سے تو نگری اور درویشی کے مضمون پر بحث
ہو پڑی اور چونکہ سعدی کا مدعی ہی ایک لائق و فائق درویش تھا۔ اس لئے
فریقین نے جو دلائل قاطع و براہین ساطع پیش کیں وہ خالی از لطف نہیں۔
شیخ مرحوم نے اُن کو ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرا ایک محفل میں گزر ہوا۔ وہاں ایک شخص ظاہر
درویش صورت بیٹھا ہوا دولتمندوں کی بدگوئی کر رہا تھا۔ اس درویش نے
جوش میں آکر یہاں تک کہہ دیا کہ فقیروں اور درویشوں کو مقدور نہیں اور
تونگروں اور دولتمندوں میں جو صلہ نہیں ہے۔

کہیاں را بدست اندر درم نیست

خداوندان نعمت را کرم نیست

آپ جانتے ہیں ان بزرگواروں کی نعمت کا نامک پروردہ ہوں، مجھے یہ بات

بہت جبری معلوم ہوئی اور مجھ سے رٹا نہ گیا۔ میں نے کہا کہ بابا یہ تو کیا یہود و نصاریٰ کرتا ہے۔ دو ہمتیہ غریبوں کی آمدنی۔ گوشہ نشینوں کا ذخیرہ۔ زیارت کرنے والوں کی جائے مقصود اور مسافروں کی جائے پناہ ہیں۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جو اول کی راحت کے لئے بارگراں اٹھاتے ہیں۔ تاوقتیکہ اُن کے متوسلین اور زیر دست نہ کہالیں۔ کہانا نہیں کھاتے اور انکی بخشش کا پس خوردہ۔ بیوہ عورتوں ضعیفوں۔ رشتہ داروں اور ہمسایوں کو پہنچتا ہے۔ دولت مند جاہلاد کو وقف کر دیتے ہیں۔ نذر و نیاز دیتے ہیں۔ قربانی کرتے ہیں۔ زکوٰۃ اور مہدقہ کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ قید سے آزادی دلواتے ہیں اور جمانی کرتے ہیں۔ بہلاد و ویشوں کو اُن سے کیا نسبت ہے جو بدقت اور ہزار بار پریشانیوں کے ساتھ صرف دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ ۵

تو نگر اں را وقف است و نذر ہمسائی

زکوٰۃ و فطرت و اغناق دہدیہ قربانی

تو کے بمنزل ایشاں رسی کہ نتوانی

بجز دو رکعت و آں ہم بعد پریشانی

اگر کسی کو بخشش کا مقدور ہے تو دو ہمتیہ کو ہے۔ اگر طاقت عبادت کیسکو ہے تو دو ہمتیہ کو ہے۔ سبب اسکا یہ ہے کہ اُن کا مال منترک ہوتا ہے۔

ان کا لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ اور واقعی عبادت کا مزاج بھی تب

ہی آتا ہے جب کہانا اچھا ملے اور لباس پاکیزہ ہو۔ بہلاجس کا پیٹ خالی ہو

اُس میں قوت کیا خاک ہوگی اور اُس کا دل عبادت پر کونجاک لگیگا جو خود تہید ست

ہو وہ مروت کس برتنے پر کر سکتا ہے جسکے پاؤں ہی بندھے ہوں۔ وہ بچاؤ

سیر کیا کرے گا اور جو مفلس و قلاش ہو وہ خیرات ہی کیا کرے گا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا

کہ جس شخص کے پاس صبح کے کہانیا کا خرچ ہو وہ رات کو پر اگندگی کے مارے سو

بھی نہیں سکتا۔ چونیٹی تمام گرمی کے موسم میں جمع کرتی رہتی ہے تاکہ جاڑے

میں فراغت سے کھائے۔ فراغت کو فاقہ سے کیا نسبت اور جمعیت کو تنگدستی سے کیا مشابہت جس وقت دولت مند عشا کی نماز کی نیت باندھتے ہیں اُس وقت درویش بیچارے اس اُمید میں بیٹھے رہتے ہیں کہ یا الہی کہیں شام کا کھانا آوے۔ صاحب مال ذکر خدا میں مشغول ہوتا ہے اور وہ بیچارہ ہو کر پریشان دل بیٹھا ہوا ہوتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ دولت مندوں کی عبادت زیادہ تر مقبول ہوتی ہے کیونکہ اُن کو جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے۔

خداوند روزی بحق مشغول

پراگندہ روزی پراگندہ دل

عربی زبان میں ایک مثل ہے اعوذ باللہ من الفقر ملکب وجوار من الاحباب یعنی پناہ ہے خدا کی مجھے اُس احتیاج سے جو زمین پر اوندھا گرانے والی ہے اور ایسے شخص کی ہمسائیگی سے جو محبت نہیں کرتا۔ اور حدیث ہے۔ الفقیر سواد الوجه والدارین یعنی فقیر دو جہان کی روسیاہی ہے درویش نے جواب دیا کہ یہ حدیث تو سنائی مگر وہ سنائے کہ حضرت نے فرمایا ہے الفقیر شخص ہی یعنی فقیر میرا فخر ہے۔ میں نے کہا بس معاف رکھئے حضرت کا اشارہ اُس فرقہ کے فقر کی طرف ہے۔ جو رضا کے مرد میدان ہیں۔ جو تیر قضا کے لئے دُعا کرتے ہیں نہ کہ اُن شخصوں کی طرف جو بزرگوں کی گودری کو پیٹ پلٹنے کا حیلہ بناتے ہیں۔

اے طبل بلند بانگ باطنِ بیچ بے توشہ چہ تدبیر کنی وقتِ بیچ

روئے طمع از خلقِ بیچ از مردی تشیع ہزار دانہ بردستِ بیچ

درویش بے معرفت سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ کا الفقر از یکن کفر اُس دلیل کا ثبوت ہے۔ ہلکا جو خود برہنہ تن ہے وہ کہاں سے ننکوں کو کپڑے پہنا سکتا ہے۔ جو خود فاقہ سے بیجاں ہے۔ وہ ہو کون کو کہا کھلا سکتا ہے اور جو تنگدست ہے وہ

فید یوں کو کس طرح رہائی دلا سکتا ہے۔ پس جب یہ بات ہو تو فرمائیے کہ ہم لوگوں کا اُن سے کیا مقابلہ۔ اور خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اہل بہشت کی نسبت فرمایا اُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ آپ کی تو وہ مثل ہدئی کہ بلی کے خواب میں چھیچھر ہے ہی آتے رہتے ہیں۔

لشنگاں را نائند اندر خواب

ہم عالمِ چشمِ چشمہ آب

میری یہ تقریر سنکر درویشِ جامہ سے باہر ہو گیا اور زبان زوری کے قدمباز گھوڑے کو میدانِ بجیائی میں دوڑانے لگا۔ بولا کہ تم نے دولت مندوں کی تفریف میں آسمانِ زمین کے قلابے ملا دیئے۔ تیرے چند فقرات پر لیٹان سے غلو و مبالغہ کی کوئی حد باقی نہیں رہی۔ تیرے نزدیک اہل دولت رزق کے گہر کی چابی ہیں۔ یہ کیا انو تقریر ہے۔ بلکہ یہ لوگ مغرور اور متکبر ہوتے ہیں۔ ان کی بات بات سے نفرت ٹپکتی ہے۔ اپنی دولت پر نازاں ہوتے ہیں اور اپنے جاہ و ثروت پر فریفتہ۔ اُن کی جو بات ہے وہ کمینہ بین کی ہے۔ جس کی سیکی طر نگاہ کرتے ہیں کہ اہت اور حقارت کے ساتھ کرتے ہیں۔ عالموں کو قتلِ اعوذی اور مردہ شوکتے ہیں اور فقراء کو کنگال کہہ کر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اس عارضی دولت پر اُن کو اس قدر فخر ہے کہ سب بالا اور بلند بیٹھتے ہیں اور نخوت سے کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ مارے غرور کے داناؤں کے قول کو خیال میں نہیں لاتے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ جو شخص عبادت کی دولت سے محروم ہے اور دنیاوی دولت سے مالا مال ہے وہ ظاہر میں دولت مند ہے اور باطن میں فقیر۔

گر بے ہنرِ جمال کتد کبر بر حکیم
کون خرش شمار اگر گاؤِ عنبر است

میں نے کہا میاں عقل کی دوا کر۔ یہ لوگ صاحبِ کرم ہیں۔ اُس نے جو ابدیا

کہ غلط کہتا ہے بلکہ وہ بندہ درم ہیں۔ ان کی دولت سے کسی کو کیا فائدہ جب وہ شل ابر کے ہیں لیکن وہ نہیں برستے۔ مانند آفتاب کے ہیں لیکن کسی کو روشنی نہیں دیتے۔ باوجودیکہ مقدور کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ لیکن یہ وصلہ نہیں رکھتے کہ اس کو چلا دیں۔ خدا کی راہ پر ایک قدم بھی نہیں چلتے اور ایک درم بھی بغیر کسی کی سفارش و خوشامد اور احسان اور منت جتانے کے نہیں دیتے۔ روپیہ بڑی محنت سے جمع کر کے ایسی خست اور کھجوسی کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اور لطف یہ کہ یہ مال و متاع حسرت کے ساتھ نہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ داناؤں کا قول ہے کہ خیس کار و پیہ زمین سے اُس وقت نکلتا ہے جب خود خیس خاک کا پیوند ہو جاتا ہے۔ خیس تمام عمر اپنا پیٹ کاٹ کے جمع کرتا رہتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو اس کا مال دوسرے بے مشقت اُڑاتے ہیں۔

برنج و سخی کسے نعمتے بچنگ آرد

وگر کس آید و بے رنج و سخی بردارد

میں نے جواب دیا کہ بس آگئے اپنی اصلیت پر۔ آپ گدا ہیں۔ آپ کو ان کی نعمت کا کیا وقوف ہے۔ بہائی صاحب جو شخص طمع کو یک قلم چھوڑے اس کے نزدیک کریم اور بخیل یکساں ہیں۔ سچ ہے۔ کسوٹی جانتی ہے کہ سونا کیا ہے اور سائل جانتا ہے کہ خیس کون ہے۔ میرے مدعی نے جواب دیا کہ میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ دولت مند اپنے غریب خویش و اقارب کو گھر میں نہیں گھنٹے دیتے اور غلیظ اور بے تمیز اشخاص کو دروازہ پر مقرر کر دیتے ہیں کہ دیکھنا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہ آنے پائے اور اگر کوئی بندہ خدا سائل آجائے تو ٹکا سا جواب ملازم کی بانی دیتے ہیں کہ کمد و گھر میں نہیں ہلے۔ واقعی سچ کہتے ہیں۔

آنرا کہ عقل و حکمت و تدبیر و راستے نیست

خوش گفت پر۔ وہ دار کہ کس در سرے نیست

میں نے کہا کہ بیچارے کیا کر بس۔ کہاں تک دیں۔ سائل کیسے وقت ان کا

پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہر وقت عرصیوں کے انبار اور درخواستوں کے طومار لگے رہتے ہیں۔ ان سائلین کی چشمِ طمع تو شاید اُس وقت پُر ہو۔ جب ریگ بیابان موتی ہو جاوے۔

دیدہ اہل طمع بہ نعمت دنیا

پُر نشود ہچیاں کہ چاہ بہ شبنم

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ وہ شخص جو سختی کشیدہ اور تلخی دیدہ ہیں۔ حرام و حلال میں حرص کے باعث بہت کم تمیز کرتے ہیں اور بے ساختہ افعالِ ناشائستہ اُس سرزد ہو جاتے ہیں۔ اگر کتے کے سر پٹو بیلا مارو تو وہ مارے خوشی کے اچھل پڑتا ہے کہ شاید ہڈی کسی نے ڈالی ہے اور اگر دو شخص ایک نعش اٹھائے لئے جاتے ہوں تو کمینہ یہی سمجھتا ہے کہ کمانیکا خوان لئے آتے ہیں۔

سگے را اگر کلو خنے بر سر آید ز شادی بہ ہمد کاں استخوانیت
اگر نعشے دو کس بردوش گیرند لبیم الطبع پسندار و کخوانیت

لیکن دولت مند جن کو خدا نے سب طرح کا مقدور دے رکھا ہے۔ حلالِ حرام میں بخوبی تمیز کرتے ہیں۔ آپ اسے تسلیم کریں گے کہ مفلس اور محتاج ہی سیند لگاتے ہیں۔ چوری اور بہت سے گناہ کرتے ہیں جبکا ذکر کرنا فضول ہے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ مسکینوں سے نہیں ملتے اور اندر ہی سے کھلا دیتے ہیں کہ کھدو گھر میں نہیں ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بیچارے فقیروں کے ہاتھ سے جان بچاتے ہیں۔ قاتم طائی جنگل میں رہتا تھا۔ اگر شہر میں ہوتا تو فقیر اُسکے لباس کی دھجیاں اڑا دیتے۔ ایسا دق کرتے کہ ساری سخاوت ہو لجاتا۔ کلیات میں لکھا ہے۔

در من ہنر گر تا دگر ان چشم ندارد

کز دست گدایاں نتوان کرد کوا بے

غرض شیخ مرحوم کا اُس دردِ دلش کے ساتھ بہت دیر تک مباحثہ ہوتا رہا

جو دلیل وہ پیش کرتا تھا۔ شیخ مرحوم اُسے اپنے منطق کے زور سے رد کر دیتا تھا۔
 جیٹی کہ درویش کا ترکش بیاقت دیلوں کے تیروں سے خالی ہو گیا۔ جب درویش
 شیخ بزرگ سے ساتھ دیلوں کو زور سے عہدہ برآء نہوسکا۔ تو بدکلامی پر آگیا اور بُرا
 بہلا کہنے لگا۔ شیخ بھی ہر طرح موجود تھا۔ اُس نے ایک کہی تو انہوں نے دس
 سنائیں۔ آخر درویش نے غصہ میں اُکر شیخ کا گریبان پکڑ لیا اور ایک جھٹکا دیکر
 دہنجیاں کر دیا۔ شیخ نے اس کے جواب میں اس زور سے بیچارے کے سینے
 پر پھڑپھڑ مارا کہ اُس کا منہ پھر گیا۔ اب آگے آگے وہ بہاگتا تھا اور پیچھے پیچھے
 سعدی تھے۔ لوگ انکی ہیئت کذائی دیکھ کر منہں ہنستے تھے۔ چنانچہ شیخ نے
 خود کہا ہے۔

اور من و من در وقتادہ خلق از پے ماد و ان خداں
 انگشت تجھے بہانے از گفت و شنید مابندگان
 القصہ لوگوں نے ان کو علیحدہ کیا اور دونوں اسبات پر راضی ہوئے
 کہ چلو قاضی کے پاس چلیں۔ جو فیصلہ وہ کرے ہم کو منظور۔ چنانچہ قاضی کے
 پاس گئے اور کل حال بے کم و کاست اُس کے روبرو بیان کیا۔ قاضی نے جب
 شیخ کی تقریر سنی تو بہت دیر تک مراقبہ میں رہا۔ پھر کہا اے شیخ تو نے
 دو لقمندوں کی از حد تعریف کی ہے اور درویشوں پر ظلم ناروا کیا ہے۔ تجھے
 یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں گل ہے وہاں خار بھی ہے۔ جہاں شراب ہے اُس
 کے ساتھ نشہ اور خمار بھی ہے۔ جہاں خزانہ ہے وہاں مار زہر دار بھی ہے۔ جہاں
 در شاہوار ہے۔ وہاں نہنگ مردم خوار بھی ہے۔ تمام دولت مند یکساں نہیں
 ہوتے جس کے پاس دولت ہو یہ ضرور نہیں کہ وہ ہمیشہ نیکیخت اور بافیض
 بھی ہو۔

اگر زلہ ہر قطرہ در شد
 چو زمرہ بازار از دہ شد

انسان وہ اچھا ہے جو درویش ہو مگر دولت مندوں کی سی ہمت رکھتا ہو اور درویش کی خصلت رکھتا ہو۔ امیروں میں وہ بہتر ہے جسے فقیروں کی فکر ہے اور فقیروں میں وہ بہتر ہے جو دولت مندوں سے کم لے و منہ تویکل علی اللہ ہے۔ یعنی جو شخص خدا پر توکل کرے اُس کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد قاضی نے درویش کی طرف غصہ کی نگاہ کی اور کہا کہ تو نے بھی از حد مبالغہ کیا ہے بیشک بعض بعض اہل دول ایسے ہیں کہ اُن کو کسی کی پرواہ نہیں ہے اور وہ اپنے عیش و عشرت میں ن رات مست و مدہوش رہتے ہیں۔ مگر ایسے ایسے بھی لوگ ہیں جن کے فیض سے ایک عالم پرورش پاتا ہے اور جنکی طفیل میں لاکھوں کا کام نکلتا ہے۔ غرض قاضی نے دونوں کو قرار واقعی زبرد تنبیہ کی اور اس امر پر مجبور کیا کہ صلح کر لیں۔ شیخ رحم نے جس کا دل ہمیشہ مثل ائینہ کے رنگ کینہ سے صاف تھا فوراً درگزر کی اور یہ اشعار پڑھ کر اپنے مدعی سے مصالحت کر لی اور دونوں بغلیں ہو گئے۔

مکن ز گردش گیتی شکایت اے درویش
کہ تیرہ بختی اگر ہسم بریں نسق گردی
تو نگر اچو دل و دست کا مرانت ہمت
بخور بخشش کہ دنیا و آخرت بردی

پس ظاہر ہوا کہ یہ صحیح محاسن و کمالات دولت مندوں اور تو نگر و دل میل جول میں اس غرض سے رکھتا تھا کہ انہائے جنس کو فائدہ پہنچے اور اُسکو ہرگز اُن سے کسی قسم کی ذاتی طمع نہ تھی۔ چنانچہ گلستان کی اور بھی چند حکایات سے میرزا کے پاس شیخ کا اہل غرض کی سفارش لیجانا ثابت ہے۔

سعدی کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ جامع علوم تھا چند محققوں نے لکھا ہے کہ اُسکو چھپس بن بانیں آتی تھیں۔ سعدی جہاں جہاں گیا، پانچ ماں کی زبان اُس نے سیکھ لی اور اس میں ایسی مہارت پیدا کی کہ اپنی بولی

زبان کے برابر کر لیا۔ علم تفسیر فقہ و حدیث میں وہ لاثانی تھا۔ شاعری میں بھی
مصنف اُسے ایشیائی جوہر کہتے ہیں اور حکمت میں ارسطو سے ثانی سمجھتے ہیں۔ شیخ
کی تصنیفات سے ظاہر ہے کہ وہ بہت بڑا فلسفی اور سائنس دان تھا۔ چنانچہ
ایک بہت بڑے مضمون کو اُس نے دو سطروں میں عجیب خوبی کیساتھ ادا
کیا ہے۔

ابرو باد و مد و خورشید و فلک در کار اند
تا تو مانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہبری

تیسرا باب شیخ کی سیاحت

شیخ مرحوم نے بہت سادہ اپنی عمر کا سیاحی میں صرف کیا اور مشرقی سیاحوں
میں بن بطوطہ، مسعودی اور ابن العقیل کے سوا شیخ سعدی سے بڑے کوئی سیاح
نہیں گذرا۔ شیخ مرحوم مشرق میں خراسان، ترکستان اور تاتاریک گیا ہے۔
اور بلخ و کاشغر وغیرہ میں قیام پذیر رہا ہے۔ جنوب میں سومنات تک آیا اور
سومنات سے ہندوستان کی سیر کرتا ہوا دریائے گنگا کی راہ سے عرب کو چلا گیا۔ شمال
مغرب میں عراق، عجم، تیان، عراق، عرب، شام، فلسطین اور انیشا کو چمک
میں بارہا آیا اور گیا۔ اصفہان، تبریز، بصرہ، کوفہ، بیت المقدس، طرابلس، الشرق،
مشرق، دیار بکر اور اقصائے روم کے شہروں میں سالہا سال اُسکی آمد و رفت رہی
مغرب کی جانب عرب اور افریقہ میں اسکا بار بار جانا اور وہاں بیٹنا معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان سے واپس ہوتے ہوئے یمن - صفا - حجاز - اسکندریہ - مصر - حبش -
 میں مقیم رہنا بھی شیخ کی تعانیف سے ثابت ہے + سرگوراسلی لکھتے ہیں کہ شیخ
 نے ایشیا کو چمک - بربر - حبش - مصر - شام - فلسطین - آرمینیا - عرب - جملہ ممالک
 ایران - اکثر ممالک توران - ہندوستان - رودبار - دیلم - کاشغر - اور جوہوں سے
 آگے تک اور بقرہ اور بغداد سے سرحد چین تک سیر کی اور چار دفعہ ہندوستان میں
 آیا - انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ شیخ مرحوم مدرسہ سے ۱۲۲۵ء میں
 رخصت ہو کر غالباً ۱۲۲۵ء یا ۱۲۲۶ء میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور
 بلخ - غزنی - پنجاب اور گجرات ہوتا ہوا سومنات چلا گیا - سومنات میں چند روز
 مقیم رہ کر دلی آیا - وہاں سے یمن پہنچا - یمن سے حبش افریقہ اور مکہ مدینہ گیا -
 وہاں سے شام کی طرف متوجہ ہوا اور بہت مدت تک حبش میں رہا - دمشق سے
 آرزوہ خاطر ہو کر وہ جبگل یروشلم میں تارک الدنیا ہو بیٹھا +
 چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ شیخ مرحوم یورپ کے بھی اکثر ملکوں
 میں پھرا ہے اور یہ بات بیشک درست معلوم ہوتی ہے - کیونکہ اُسکو لاطینی
 اور فرانسیسی زبان میں بھی مہارت تھی +
 شیخ مرحوم نے دریا میں بارہا سفر کیا ہے - خلیج فارس - بحر عمان - بحر ہند
 بحر عرب - بحر قلزم اور بحیرہ روم میں اُسکے متعدد سفر ثابت ہوتے ہیں + نفقات
 الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نے بہت مدت تک بیت المقدس اور شام کے
 شہروں میں سقائی کی ہے +
 شیخ آذری نے اپنی کتاب جو اہر الاسرار میں بیان کیا ہے کہ شیخ شیراز سے
 ہندوستان میں آخری مرتبہ امیر خسرو کے دیکھنے کو آیا تھا - لیکن یہ امر مشکوک
 ہے جس وقت ہندوستان اور ایران میں خسرو کی شہرت ہوئی - اُس وقت شیخ
 کا عالم ضعیفی تھا اور یہ یقین نہیں تاکہ اُس عمر میں اس قدر دور و دراز سفر
 محض ایک نوجوان کے دیکھنے کی خاطر اختیار کیا ہو +

اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودا حج پایادہ گئے تھے اور شیخ کے خطیبیہ کو ٹی عجیب بات نہیں۔ وہ بلا کا جفا کش تھا اور اسکی تصنیفات سے بھی اس وایت کی تصدیق ہوتی ہے +

شیخ کا سب سے پہلا سفر مکہ معظمہ کی جانب تھا اس وقت شیخ کی عمر نو سال کی تھی جب قافلہ حج کو جانے لگا تو حاجیوں کا شیخ - عبد اللہ والد سعدی مقرر ہوا۔ اس نے اپنے نہ سالہ بچے کو چوڑوں اور رہنروں کے ڈر سے ہمراہ لیجانا مناسب نہ سمجھا مگر سعدی نے اپنی بھولی بھالی باتوں سے اپنی ماں کو سفر کرنے پر آمادہ کر لیا اور بخیریت تمام زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہو کر واپس آیا +

عالم سفر میں شیخ نے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائی ہیں اور عالم غربت میں اسے سخت تنگی اور عسرت نصیب ہوتی ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بیابان فیتہ میں جو ایک وحشت خیز بے آب و علف جنگل اور چھ سو میل لمبا اور چار سو میل چوڑا صحرائے لق و دق ہے۔ بیچارے شیخ کے پاؤں میں چلتے چلتے چھالے پڑ گئے تھے اور کئی روز کی بیخوابی اور نکان سے استعد غلبہ ہوا کہ شیخ سربراہ ٹبر کر سو گیا۔ اتفاقاً اُدھر سے ایک شتر سوار گذرا۔ اس نے اونٹ کی نکیل کی رستی شیخ کے پر ماری اور کہا کیا جینے سے بیزار ہے کہ آواز جس سے بھی بیدار نہیں ہوتا +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند درویشوں کا وزیر سلطنت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوا۔ مگر اتفاقاً انہیں سے ایک نے کوئی ایسی حرکت کی جو خلاف شانِ بیوشان تھی۔ جس سے وزیر بدظن ہو گیا اور وظیفہ بند کر دیا۔ سب سے شیخ سے التجا کی کہ تمہاری مدد درکار ہے۔ ورنہ ایسی زندگی سے عار ہے۔ شیخ نے ان کی درخواست کو منظور کیا اور وزیر کی ملاقات کو گئے۔ دربانوں نے ان کے پیٹے پُرانے کپڑے دیکھ کر دروازہ پر روکا۔ چنانچہ خود شیخ فرماتے ہیں ۵

درمیر و وزیر و سلطان را یوسلکت مگر دبیر امن
سگ دربان چو یا قند غریب ایں گربانگفت و آندامن

اتفاق سے وزیر کو اندر اطلاع ہو گئی وہ خود استقبال کے لئے نکل آیا اور بڑی عزت کے ساتھ اندر لے گیا اور صدمہ میں جگہ بیٹھنے کو دی۔ شیخ نے کہا معاف فرمائے۔ بندہ فقیر اس جگہ کے لائق نہیں ہے۔

بگذار کہ بندہ کیسے
تا در صف بندگان نشینم

وزیر نے کہا اللہ اللہ کرو یہ کیا بات ہے۔

گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ ناز نینی

خیر شیخ مرحوم بڑی روداد کے بعد بیٹھے اور ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد حرف مطلب زبان پر لائے اور کہا۔

چہ جرم دید خد اوند سابق الانعام کہ بندہ در نظر خویش خوار میدارد
خدا تر است مسلم نذر گواری الطاف کہ جرم بیند و ناں بر قرار میدارد
وزیر اشارہ سمجھ گیا اور فوراً وظیفہ پر جاری کر دیا۔ شیخ مرحوم نے شکریہ ادا کیا اور چلتے ہوئے یہ قطعہ پڑھا۔

چو کعبہ قبلہ حاجت شد از دیار بعید روز خلق بد مدارش از بسے فرسنگ
ترا تحمل امثال ما بسا بد کرد کہ بھی کس نذر در رخت بے برسنگ

ایک دفعہ شیخ مرحوم کو سفر میں چند درویش ملے۔ جو صورت و سیرت سے برگزیدہ اشخاص معلوم ہوتے تھے۔ شیخ نے کہا صاحبو مجھے بھی اپنا رفیق سفر بنالو۔ انہوں نے کہا کہ اس عزت سے ہمیں معاف رکھئے۔ شیخ نے حیران ہو کر سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ ناخوش ہوں۔ اگر حقیقت حال سنئے گا تو تعجب معاف رکھیے گا۔ چند روز ہوئے کہ ایک شخص درویش صورت ہمارے ساتھ ہو لیا تھا۔ ہمیں اسکے باطن کی کیا خبر تھی۔

چہ دانند مردم کہ در جامہ کیست و نیندہ داند کہ در نامہ کیست

ہم نے حتی المقدور اسکی خدمت اور خاطر و مدارات کی رات کو ہم ایک قتلہ میں سوئے۔ علی الصبح ہمارے نئے یار نے ہمارا ایک آفتاب اٹھایا۔ اور طہارت کے بہانہ ہمارے پاس سے جا کر ایک مکان میں سیند لگاٹی اور ایک ڈباز یور کا چڑایا اور یکڑا گیا۔ کو تو ال نے اسے ہمارے ہمراہ دیکھا تھا۔ ہم سب لوگ ناکرہ گناہ پکڑے گئے اور قید ہوئے۔ اس دن سے ہم نے تو بہ کی ہے کہ کسی ناواقف شخص کو ساتھ نہ لینگے۔ شیخ نے کہا۔ خیر اگر چہ آپ نے مجھے اپنی رفاقت کی عزت نہیں بخشی۔ مگر یہ نصیحت بھی جو آپ سے مجھے اس وقت حاصل ہوئی میرے لئے بیش بہا جو اہر سے کم نہیں +

ایک دفعہ مکہ کے بیابان میں شیخ مریخم کئی دن کا جاگا ہوا تھا۔ خواب نے ایسا غلبہ کیا کہ ناچار وہیں زمین پر لیٹ گیا اور شتر بان سے کہا کہ یہاں تو جا اور مجھے خدا کے حوالہ کرے

پائے مسکیں پیادہ چند رود
کز تحمل ستودہ شد بختی

ساربان نے کہا میاں ہوش کی دو اکرو۔ یہاں قزاقوں کا خوف ہے اگر سو جاؤ گے تو اپنے ہاتھ سے پاؤں پر کلہاڑی مارو گے

خوش است زیر مغیلاں براہ باد یہ نعت

شب رجیل دے ترک جاں بسباید گفت

شیخ علیہ الرحمۃ نے گلستان میں لکھا ہے کہ کو قذ کے میدان میں جہیں ایک شخص سرو پا برہنہ قافلہ حجاز کے ساتھ پیادہ جاتا ہوا ملا۔ یہ شخص اپنے جال میں مست تھا اور کہتا تھا کہ تو میں اونٹ پر سوار ہوں اور نہ مانند شتر کے زیر بار ہوں۔ نہ میں صاحب رعیت ہوں نہ غلام شہر یار ہوں۔ شتر سوار نے کہا آ دیوانہ لوٹ جا۔ کہاں جاتا ہے۔ مفت میں جان گنوائیگا۔ پیادہ نے ایک نہ سنی اور ساتھ ساتھ چلا آیا۔ ایک منرل پر ہم نے قیام کیا۔ دماغ شان خدا اس

شتر سوار کی موت اٹھی۔ دم نزع وہ پیادہ اُس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بندہ تو سختی سے نہ مرا لیکن حضرت اونٹ پر بھی نہ چڑھ سکے۔

اے بسا اسپ تیز رو کہ جاماند

کہ خزلنگ جاں بمنزل بُرد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علیہ الرحمۃ کی سیاحت اُسکے لئے ایک وسیع تجربہ و مشاہدہ کا ذریعہ تھی۔ وہ ذرہ ذرہ پر نظر رکھتا تھا۔ قطرہ قطرہ کی حقیقت اور ثبات کی نسبت چہاں بین کیا کرتا تھا اور اپنی معلومات کو وسعت دیتا تھا۔ ہر واقعہ اور ہر حادثہ سے وہ کوئی نہ کوئی نتیجہ نکالتا یا سبق حاصل کرتا تھا اور مکروہات زمانہ کو ذاتی تجربے کے باعث ایسے پیرائے میں بیان کرتا تھا کہ سامعین کو اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی تھی +

شیخ کے وقائع سفر سومنات کا واقعہ نہایت عجیب ہے۔ جزیرہ نما گجرات میں سومنات ایک قدیمی مندر تھا۔ جب شیخ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مندر کیا ہے ایک نگار خانہ چین ہے۔ جس میں ایک ماتھی دانت کا بُت دہرا ہوا ہے جسکی پرستش کے لئے لاکھوں آدمی دور دور سے آتے ہیں۔ مراد میں مانگتے ہیں اور لاکھوں دپے کا چڑھا دیا جڑماتے ہیں شیخ کو تعجب ہوا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ان لوگوں کو کیا خط ہوا ہے کہ ایک بیجان چیز کی پرستش کرتے ہیں۔ اس بات کی تحقیقات کے لئے شیخ مرحوم نے ایک برہمن سے دوستی پیدا کی اور اپنی لسانی کے باعث جلد اُسکے ساتھ شیر و شکر ہو گیا۔ یہاں تک کہ دونوں اکٹھے ہی رہنے سننے لگے۔ ایک دن اپنے دوست کو نہایت خوش دیکھ کر شیخ نے دریافت کیا کہ یا تمہارے ملک کی بھی عجیب لایعنے رسم ہے کہ ایک عیسی مورت کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ غرض شیخ نے اس مورت کی حقارت اور مذمت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ یہ گفتگو سن کر وہ برہمن چونکا ہوا اور کہنے لگا۔ اب معلوم ہوا کہ تو یچھ مسلمان ہے۔ خیر ابھی کیا گیا ہے

تو نے میرا جہم بہر شٹ کر دیا ہے تو مجھے بھی زندہ جانا نہیں ملیگا۔ یہ کہہ کر اس برہمن نے مندر کے پوجاریوں کو خبر کر دی۔ پوجاری مورخ کی طرح شیخ کے گرد ہو گئے شیخ کے ہاتھوں کے طوطے۔ اڑ گئے۔ دل میں کہنے لگے کہ برے پھنسے۔ مگر شیخ نے اوسان بجا رکھے اور یہاں بھی حکمت علی سے نہ چوکا اور کہنے لگا کہ ہلما میری کیا مجال ہے کہ اس مورت کو نظر حقارت سے دیکھوں۔ میں تو مدت سے اس کا دلدادہ ہوں اور اسکی الفت مجھے اسقدر فاصلہ سے یہاں کھینچ لائی ہے۔ لیکن میں یہاں نوازدہ ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اسکی حقیقت اور اسرار نہانی سے واقف ہو جاؤں اور سمجھ بوجھ کر اسکی پرستش کروں۔ اس مندر کے ہاپنڈت کا چہرہ یہ بات سنکر دفور مسرت سے شگفتہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ واقعی طالب دلیل منزل مقصود کو پہنچتا ہے آج کی رات تو مندر میں رہ کر کل صبح تجھے اصل حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ شیخ نے طوعاً و کرہاً برہمن کے حکم کی تعمیل کی۔ صبح کے قریب تمام بستی کے چھوٹے بڑے بوڑھے جوان۔ مرد اور عورت اس مندر میں جمع ہو گئے۔ یہ رات شیخ نے اختر شماری میں گذاری اور بنجواہی سے اپنے دوست کی جان کو سناٹا تھا کہ ناگاہ پوجاریوں نے ڈنکا بجایا اور سنکھ بھونکا اور اس مورت نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ جیسے کوئی دعا مانگتا ہے۔ یہ دیکھ کر پوجاری دھن دھن ہونے لگے اور بے پیکار ہو گئے۔ لگے جب لوگ چڑھاوے چڑھا کر چلے گئے اور بھیر کم ہو گئی۔ تو وہ پنڈت شیخ بزرگ کے پالنے والے اور کہنے لگا۔ اب بھی یقین ہو دیا نہیں شیخ ظاہر داری سے رونے لگا اور ننگ گسنی کرنے لگا۔ برہمن نے شیخ کو تسلی دی اور کہا غم نہ کہا بڑا بُت تیرے سب گناہ بخش گیا اور شیخ کا ہاتھ پکڑ کر مورت کے روبرو لے گیا۔ شیخ نے ظاہر داری سے نہایت عقیدت اور خلوص کے ساتھ مورت کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور چند روز کے لئے برہمن بن کر ہاتھ پر قشقہ لگایا اور گردن میں زنجیر پہنا اور رفتہ رفتہ اپنا اعتبار اسقدر بڑھا دیا کہ ہاپنڈت نے سب کام ان کے سپرد کر دیا۔ ایک دہر جب آدھی رات اوپر اور آدھی رات اُدھر تھی اور مندر میں سناٹا تھا۔ شیخ نے مندر کا دروازہ بند

کر دیا اور جنت کے سنگام سن کے پاس جا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں شیخ نے ایک مکمل بزر پر وہ لنگتا دیکھا۔ اسکے پیچھے ایک پوجاری چھپا بیٹھا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک ڈوری تھی۔ جب وہ اُس ڈور کو کھینچتا تھا تو فوراً اُس مورت کے ہاتھ اٹھ جاتے تھے اور اس شعبہ کو عام لوگ کرشمہ تصور کرتے تھے۔ جب اُس پوجاری نے دیکھا کہ میرا از پشت از بام ہو گیا تو کسیا نہ ہو کر وہاں سے بھاگا۔ شیخ نے سوچا کہ اگر جان سلامت لیگیا تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں پس اسکا قصہ تمام کر دو۔ چنانچہ شیخ نے اسکا تعاقب کر کے اُسے جا پکڑا اور وہیں بچھاڑ کر قریب ایک کنواں تھا اُس میں ڈال دیا اور راتوں رات مندر سے بھاگ نکلا اور سیدہ دہلی کا رستہ لیا۔

غلط معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ میں مفصلہ ذیل اشعار زبان ریختہ میں شیخ علیہ الرحمۃ نے کہے کیونکہ اُس زمانہ میں ہندوستان کی بولی یہ نہیں تھی۔

قشقہ جو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے
گفتا کہ دُر اسے باد رے اسلمک کی ریت ہے
ہمنا تہیں کو دل یا۔ تم دل لیا اور دکھ دیا
ہم یہ کیا تم وہ کیا۔ ایسی بھلی یہ بیت ہے
سعدی بگفتا ریختہ در ریختہ در ریختہ
شیر و شکر آمینختہ۔ ہم ریختہ ہم گیت ہے
فرانس کے مشہور محقق ام گارسن ڈی ٹیسی تحریر فرماتے ہیں کہ سعدی شیرازی پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کی زبان میں مذکورہ بالا اشعار کہے۔ اس امر کی تائید ملک الشعراء زارفع سودا نے بھی اپنے تذکرہ میں کی ہے۔ مگر بعض اشخاص کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں ریختہ کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی ایک شاعر سعدی تخلص ہوا ہے اور سب سے پہلے یہ اشعار اُس نے کہے ہیں۔ چنانچہ ان اشخاص کے بیان کی تائید حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے تذکرہ سے ہوتی ہے میری رائے میں بھی مائینہ دی ٹیسی کی تحقیق زیادہ تر قرین قیاس نہیں۔ ان اشعار سے جو صدر میں تحریر ہو چکے ہیں صاف ترشح ہے کہ یہ کسی ہندوستانی کی زبان ہے اور ایک ایرانی سے ایسی کچھ ٹری نہیں پک سکتی۔

سومنات کے واقعہ کی نسبت بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیخ نے یہ فرضی واقعہ لکھا ہے اور اس سے مراد صرف بت پرستی کی مذمت ہے اور درحقیقت ایسے بڑے مندر میں جو تمام ہندوستان کے ہمارا جوں بجاؤں اور راناؤں کا معبد تھا جس میں ہر وقت لاکھوں پوجاری اور ہزاروں بھجن گائیوالے اور سینکڑوں جاتری شہنشاہ روز موجود رہتے تھے۔ شیخ مرحوم سے ایسے فعل کا ارتکاب ہونا قطعی ناممکن تھا۔ میں کہتا ہوں اس روایت میں کوئی بات فوق العادت یا سو پر نیچرل نہیں ہے شیخ نے ظاہر داری سے وہاں اپنا رنگ ایسا جمایا کہ تمام پوجاری اسے برہمن ہی سمجھتے رہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ فعل اُس نے ایسے موقع پر کیا ہو۔ جبکہ مندر میں کسی اتفاق سے کوئی موجود نہ تھا اور چاروں طرف سے مطلع صاف تھا۔ شیخ مرحوم نے یہ واقعہ نظم میں بیان کیا ہے۔ اسکو پابندی نظم مد نظر تھی اُسے حسن بیان اور زینت الفاظ کا خیال تھا۔ پس اگر وہ قصہ کی تمام خبرئیات کے بیان کرنے میں قاصر رہا تو اس میں کوئی اچنبہ نہیں۔

شام یاعراق کے کسی شہر میں ایک زاہد مریض رہتا تھا۔ جسکے معتقد بڑے بڑے اشخاص تھے اور دُور دُور سے اُسکی زیارت کو لوگ آتے تھے۔ شیخ نے بھی دو دن اس کی خدمت کی اور ایک دن اُس سے درخواست کی کہ قبلہ کوئی ایسی شہنشاہ عنایت ہو کہ بندہ استغنائے محرم ہو جائے اُس نے کہا کہ تمہیں عشق حقیقی ہو چاہیے اور عشق حقیقی کا پہلا زینہ عشق مجازی ہے۔ جاؤ کسی پر عاشق ہو۔ شیخ وہاں سے رخصت ہو کر آیا اور ایک قصاب کی لڑکی پر عاشق ہوا۔ شہر کے قصابوں نے پچائیت کی کہ اس بلائے مبرم سے کسی طرح عمدہ برآئیں ہو سکتے بہتر ہے کہ کسی حکمت سے اُسکو مالا جاوے۔ چنانچہ تمام اکٹھے ہو کر شیخ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اسے شخص تیری حرکت مذموم سے ہماری سخت بدنامی ہوئی تو ہماری ایک شرط پوری کر دے پھر ہم اس لڑکی کا نکاح تیرے ساتھ کر دیں گے۔ شیخ نے کہا فرمائیے وہ کیا شرط ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ ہم اپنی ہی قوم اور کھو میں

لوکیاں بیاہتے ہیں۔ تو غیر قوم کا ہے۔ تیرے ساتھ ہم بٹ لڑکی کا نکاح کریں گے جب تو پانچویں بکریاں ہم رنگ اور ہم عمر کہیں سے ہجو لاوے تاکہ اگر کل کو کوئی تمکو طعنہ دے تو ہم کہیں تو سہی کہ ہم نے جو غیر قوم کے شخص کو لڑکی بیاہی تو کچھ دیکھ کر بیاہی۔ بس اب تشریف لے جائے اور جو شرط پیش کی گئی ہے۔ اسکو پورا کر کے آئے۔ اگر خالی ہاتھ آؤ گے تو پچھتاؤ گے۔ غرض شیخ وہاں سے رخصت ہوا۔ اتفاق سے اسکا گدڑ قاضی شہر کی مجلس میں ہوا۔ اُس وقت شیخ نہایت شکستہ حال تھا۔ اسکے کپڑے پھٹے پُرانے اور میلے کچیلے تھے اور مجلس میں تمام علماء و فقہا کمال تنک و اقسام سے لباس فاخرہ پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ شیخ سادگی سے سبک برابر جا بیٹھا۔ خدام نے جھڑک کر اٹھا دیا اور قاضی نے بھی ختم آلودہ نگاہ سے شیخ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ایاز قدر خود شناس"۔ غرض شیخ کو شکل سے پائین مجلس میں جگہ ملی۔ اتفاقاً اس وقت کسی مشکل مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اور تمام لوگ اس عقدہ کے حل کرنے سے عاجز تھے۔ شیخ نے دور ہی سے باوازا بلند کہا کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ سب شیخ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکی کم مینشی اور جرات پر سب کو حیرت ہوئی۔ شیخ نے فیضِ تقریر میں براہینِ قاطعہ اور دلائلِ ساحلہ دے کر اُس عقدہ کو لایخیل کو ایک دو منٹ میں حل کر دیا۔ چارہ طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں آنے لگیں۔ قاضی نے مسند چھوڑ دی اور علامہ سر سے اتار کر شیخ کے آگے رکھ دیا۔ شیخ نے کہا یہ غرور کا پائے بند مجھے نہیں چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں یہ دستار سر پر رکھ کر تمہارا طبع پھٹے پُرانے کپڑے دالوں سے نفرت کرنے لگوں۔ غرض شیخ اس قسم کی گفتگو کر کے وہاں سے چلا گیا۔

کہتے ہیں اس شہر کے بادشاہ نے بہت سی شراب پی کر حالتِ بدستی میں اپنی بیگم سے قسم کھائی تھی کہ میں تمام بادشاہی تجھے بخش دوں گا۔ اگر نہ بخشوں گا تو میری طرف سے تجھکو طلاق ہوئی۔ جب بادشاہ کا نشہ ہرن ہوا تو اپنے اقرار کو یاد کر کے پچھتا یا اور تمام علماء اور وزراء کو جمع کر کے کہنے لگا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو

کہ بادشاہی بھی نہ جائے اور قسم بھی ادا ہو جائے۔ تمام وزیر اور مفتی سرحد
تدبیریں سوچتے تھے مگر ان کو کوئی بات ایسی نہ سوجھتی تھی جو بادشاہ کے منشاء کے مطابق
ہو اور ہر بیگم زور دے رہی تھی کہ بادشاہ سلامت اپنے اقرار کو پورا کر دے۔ ورنہ بندی
آپ پر حرام مطلق ہے۔ آخر ناچار ہو کر قاضی نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایک شخص مفلوج
کے لباس میں اس شہر میں ارد ہے۔ وہ اس مسئلہ کو حل کر لگا۔ عرض اسی وقت شاہی
سرہنگ شیخ کی تلاش میں چاروں طرف دوڑ پڑے اور فوراً شیخ کو بڑی عزت اور
احترام سے بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔ شیخ نے تمام قصہ سنا اور کہا کہ میں اس شرط
پر اس مسئلہ کو خاطر خواہ حل کر دوں گا آپ مجھے پانچ سو بکریاں ایک رنگ اور ایک عمر
منگو دیں۔ بادشاہ نے فوراً وزیر اعظم کو حکم دیا کہ ایک مہفتہ کے عرصہ میں بکریاں مطلوبہ
حاضر ہوں۔ پانچ مہفتہ عشرہ میں شیخ کی فرمائش ہم پہنچ گئی۔ جب شیخ نے دیکھا
کہ میں نے اپنا مقصود حاصل کر لیا تو بادشاہ سے کہا کہ حرم سرا میں پردہ کر لو
اور پس پردہ بیگم کو بٹھا دو۔ پھر شیخ نے ایک قرآن شریف منگوایا اور بادشاہ سے
کہا کہ یہ قرآن شریف بیگم کے ماتھے میں دو اور کہہ دو کہ میں تجھے مہفتہ آئینہ کی مانند
سے کہیں بڑھ کر دولت بخشا ہوں۔ عرض شیخ مرحوم نے اس طرح سے بادشاہ
کی قسم کو قائم رکھا اور دختر قصاب سے شادی کر لی۔ پانچ کتے ہیں کہ یہ شیخ کی
پہلی اہلیہ تھی *

یہ روایت بعینہ کو لمبس کی انڈیوں والی حکایت سے متشابه ہے۔ یعنی ایک دفعہ
کا ذکر ہے کہ کو لمبس امریکہ دریافت کر کے واپس آیا تو اس کے دوستوں نے ایک
ایوننگ پارٹی دی اور جب تمام آدمی کھانے کی میز پر بیٹھے تو بعض اشخاص نے
کہا کہ جو کام کو لمبس نے کیا ہے وہ ہر ایک کر سکتا ہے جو سفر دریاطہ کرتا وہی
نئی دنیا دریافت کر لیتا۔ کو لمبس نے کونسی انوکھی اور مشکل بات کی ہے کہ کو لمبس
نے یہ سن کر جو ابد یا کہ اچھا میز پر ابلے ہوئے انڈے دھرے ہیں۔ اگر تم ان
کو سیدھا میز پر کھا کر دو گے تو میں جانوں گا کہ تم امریکہ دریافت کر لیتے۔ یہ

سن کر تمام اشخاص انڈے اٹھا کر میز پر کھڑے کرنے لگے۔ مگر ہر چند وہ کوشش کرتے تھے انڈا قائم نہ رہتا تھا۔ بلکہ لڑھک جاتا تھا۔ آخر جب سب مار گئے تو کہنے لگے کہ اچھا تم ہی کر کے دکھاؤ۔ کوئٹس ایک انڈا اٹھا یا اور سر کی جانب سے کھٹک کر فوراً میز پر کھڑا کر دیا۔ یہ دیکھ کر تمام بول اٹھے۔ یہ کیا مشکل تھا۔ یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے کوئٹس نے جواب دیا کہ اسی طرح آمریکہ بھی ہر ایک دریافت کر سکتا ہے۔

شیخ مرحوم کا دفتر قصبات شادی کرنا ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسکو محض قصہ سمجھنا چاہئے۔ پُرانے زمانہ کے لوگ اس قصہ کو اکثر بیان کرتے ہیں۔ لیکن کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ پس اسکی تائید میں جہاں تک مجھے معلوم ہے تقریری شہادت ہے۔ تخریری شہادت کوئی نہیں۔ اس لئے ہم اسے کما حقہ باور نہیں کر سکتے صرف احتمال ہے کہ شاید یہ بات درست ہو۔

یہاں سے شیخ علیہ الرحمۃ متین چلا گیا۔ انسانیٹکلوپیڈیا برینیکا میں لکھا ہے کہ شیخ علیہ الرحمۃ کا لڑکا دارالخلافتین میں فوت ہوا۔ غالباً یہ لڑکا شیخ کی اُسی بیوی سے تھا جسے اُس نے دمشق یا شام میں نکاح کیا تھا اور جس کا قصہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں شیخ کو اس لڑکے سے بہت محبت تھی اور اسکی دائمی مفارقت نے شیخ کو بڑا مال کر دیا۔ چنانچہ اس غم غلط کرنے کے لئے تمام افریقہ میں سیر و سیاحت کرتا رہا اس کے بعد وہ مکہ معظمہ چلا گیا۔ پھر کچھ عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سرور کائنات معلم کے روضہ مبارک پر کھڑے ہو کر شیخ مرحوم نے یہ قطعہ فی البدیہ پڑھا تھا۔

بلغ العلیٰ البکمالہ

کشف اللہ جہ بجالہ

حسد جہ خصلہ

صلو علیہ والہ

آئرش بظاہر سے ہوتا ہوا شیخ سیرا میں چلا گیا۔ یہاں سے اُس نے دمشق کا رخ

کیا اور بہت مدت تک میقم رہا۔ دمشق میں اس نے اپنے دوستوں کو اس قدر
خود غرض خود مطلب اور زما ساز پایا کہ اہل دمشق سے برداشتہ خاطر ہو کر اُس نے
بیابانِ قدس یعنی فلسطین کے جنگلوں میں رہنا اختیار کیا اور آدمیوں سے
ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ ان دنوں فلسطین یعنی پلستائن میں صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری
تھا اور عیسائی اہل اسلام کے خون کے پیاسے تھے۔ اتفاقاً شیخ علیہ الرحمۃ عیسائیوں
کے ہاتھ آگیا۔ انہوں نے فوراً اسکو قید کر لیا اور مشرقی ٹریپولی کی خندق پر جو شہر کے
استحکام اور حفاظت کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ یہودی اسیروں کے ساتھ جو بلکیرا
اور ہنگری سے قید فرنگ میں گرفتار ہو کر آئے تھے۔ اسکو ڈو کر یاں ڈھونے
پر لگا دیا۔ سر پر اینٹوں کی ٹوکری۔ بدن پر پچھے ہوئے کپڑے اور چہرہ پر گرد و غبار
کا پودر دیکھ کر ایک جلی امیر کے آئینہ دل پر جو اتفاقاً وہاں آنکلا ٹھیس لگی
اور شیخ سے دریافت کیا کہ کس حال میں ہو۔ شیخ نے جواب میں یہ اشعار

پڑھے۔

ہے گر خیم از مردماں بکوه بدشت کہ از خدائے بنودم بدگیرے پردخت
قیاس کن کہ چہ عالم بود در این ساعت کہ در طویلہ نامردماں ببائند ساخت
پھر کہا کہ جو شخص یگانوں سے کوسوں بہاگتا تھا۔ وہ آج بیگانوں کے پنجہ میں
گرفتار ہے۔ زندگی سے بیزار ہے۔ امیر حلب کو ترس آیا اور دس دینار دے کر
شیخ کو اس قید سے رہائی دلوائی اور اپنے ہمراہ حلب لے گیا۔ اس امیر کی ایک بیٹی
ناکندہ تھی۔ اُس نے شیخ کا نکاح سودینار مہر مقرر کر کے اپنی لڑکی سے پڑھا دیا۔ شیخ
کچھ مدت تک حلب میں رہا مگر شیخ کی بیوی پر لے درجہ کی بد مزاج اور بد زبان
تھی اسکی زبان درازی سے شیخ کا دم ناک میں آگیا تھا۔ ایک فوجی نزاع پر
لڑکی کہہ اٹھی "تس بیٹھو بھی بہت بڑھ بڑھ کے باتیں اُس سے بناؤ۔ جسکو تمہاری
حقیقت معلوم نہ ہو۔ آپ وہی ہیں جسے میرے باپ نے دس دینار دیکر خریدا تھا"
شیخ نے جواب دیا کہ واقعی بندہ وہی غلام ہے جسکو حضور کے والد نے دس دینار بکر

خریدا اور سودینار کو حضورؐ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

اس عورت کی نسبت ایک اور روایت بھی مشہور ہے کہ ایک روز سعدی شادی کے برخلاف دعا کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا۔ ہنس! سنت پیغمبر کو منع کرتے ہو۔ اس پر آپؐ فرمایا کہ آج ہمارے ماں آپؐ کی دعوت ہے۔ جس وقت همان کھانا کھانے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ بلائے ناگمان شیخ بزرگ کے سر پر سوار ہے شیخ نے کہا کہ بیوی غصہ کو تھوک دو اور ایک همان آیا ہے اسکو لئے کچھ کھانے کا بند و بست کرو۔ اس خدا کی بندی نے ایک مٹی کی ہنڈیا اٹھا کر اس زور سے سعدی کے سر پر سید کی کہ گہرا جھائل ہو گیا۔ اسی حالت میں آپؐ باہر نکلے۔ همان نے پوچھا۔ حضرت! یہ گلے میں کیا ہے جواب دیا کہ بہائے صاحبِ بحر۔

در گلویم سنت پیغمبر است!

ایک دفعہ شیخ سعدی کا شعر کی جامع مسجد میں ضوکر رہا تھا۔ اتفاقاً وہاں ایک طالب علم مقدمہ زرخشتری ہاتھ میں لئے پڑھ رہا تھا ضرب زید عمر دُا شیخ نے کہا صاحبزادہ خوارزم و خطا میں صلح ہو گئی۔ مگر زید اور عمرو میں خصومت ہنوز باقی ہے۔ طالب علم نے ہنس کر شیخ کا وطن پوچھا۔ شیخ نے جواب دیا کہ خاک پاک شیراز۔ اُس نے کہا سعدی کا کلام یاد ہو تو سناؤ۔ شیخ نے فی البدیہہ

کہا۔

اے دل عشاق بدم تو صید

ماتو مشغول و تو با عمرو زید

دوسرے دن شیخ کا شعر سے چل دیا۔ اُس طالب علم کو بعد میں کسی طرح معلوم ہو گیا کہ شیخ سعدی یہی ہیں۔ طالب علم بہا گنا ہوا شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا "زہے نصیب جو حضورؐ کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ چند روز شہر میں چل کر قیام فرمائیں تاکہ میں بھی خدمت گزار۔ سی سے مستفیض ہوں اور سعادت

دارین حاصل کروں سعدی نے جواب میں یہ اشعار پڑھے

بزرگے دیدم اندر کو ہمارے قناعت کردہ از دنیا بہ غارے
چراگنم بشہر اندر نہ آئی کہ بارے بند از دل برکشائی
بلغت اینجا پر رویان نغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند
مجالس العشاق میں لکھا ہے کہ شیخ کی شیراز کے حمام میں حکیم نزاری قہستانی
سے ملاقات ہوئی۔ شیخ نے اپنے مکان پر بڑے تکلف سے حکیم کی ضیافت کی
اور کئی دن همان رکھا۔ مگر جب حکیم کھانا کھانا۔ باوجودیکہ کھانے بہت پر تکلف
اور نفیس ہوتے تھے۔ حکیم ناک ہوں چڑھتا اور کہا کرتا مائے دعوت خراسان
جب شیخ مروج کو خراسان جانے کا اتفاق ہوا تو اوس نے کہا کہ آؤ اپنے
قدیم یار حکیم نزاری سے بھی ملتے جاویں۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ دعوت خراسان
میں کیا شان ہے۔ شیخ نے حکیم کے ہاں تین وقت کھانا کھایا پہلے روز
جو کھانا دسترخوان پر آیا وہ سادی روٹی اور معمولی ترکاری تھی۔ دوسرے
وقت پہنے ہوئے پنیر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تیسرے وقت ایک گوشت کا
ابلا ہوا پارچہ اور خشک تھا۔ چلتے وقت شیخ نے از روئے مذاق کہا ”مائے
دعوت شیراز“ حکیم نے ہنس کر کہا جس طرح آپ نے میری ضیافت میں تکلفات
کئے تھے اُس طرح همان بہت جلد بار خاطر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن ہمارا طریقہ
ایسا ہے کہ اگر تمام عمر رہے تو همان کار ہننا گوار نہیں ہوتا۔ شیخ نے اس بات کو
تسلیم کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تہذیب میں ایک جگہ شیخ علیہ الرحمۃ ماتھ دھورنا تھا۔ وہاں ایک
موتوی کا گدڑ ہوا۔ جو کچھ بھی پیل لایا جواب تھا۔ سعدی کی مسافرانہ صورت دیکھ کر مذاق
کرنے لگا۔ سعدی سے پوچھا کہ ”چہ میکنی“ شیخ نے جواب دیا کہ ”یدمیشویم“ اسپر وہ بولا کہ یدو
بدتجنیس خطی دار۔ شاید تو بدمیشوئی“ سعدی تو بلا کا حاضر جواب تھا۔ اُس سے دریافت
کیا کہ ”تیرا نام کیا ہے؟“ اُس نے کہا ”جاجی“ شیخ نے جواب دیا کہ ”جاجی وچاچی میں بدتجنیس خطی

ہے۔ چاچی ایک قسم کی کمان ہے۔ کمان و کمان میں تجنیس خطی ہے۔ کمان شک کہتے ہیں۔ شک سگ میں تجنیس خطی ہے۔ پس تو سگ ہے اس طرح بہت بہت دیر تک اسکی اور سعدی کی چھڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ آخر شیخ نے اسکو اپنی لفاظی اور جادو بیانی کے زور سے معقول کر دیا اور جب اسکو معلوم ہوا کہ یہ سعدی شیرازی ہے تو اس نے شیخ کے قدم لئے اور نہایت عجز و انکسار کیساتھ اپنی بیوقوفی کی معافی مانگی۔ یہ اور اس قسم کے کئی قصے زبانزد عام ہیں جن پر اعتبار مشکل ہو سکتا ہے۔

ایک دفعہ دیار بکر میں شیخ علیہ الرحمۃ کا گذر ہوا۔ اور شیخ نے ایک دولت مند شخص کے مکان پر قیام کیا۔ رات کو جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میزبان نے کہا کہ دنیا میں مجھے سب سے عزیز ایک پر ہے۔ اس سے زیادہ کسی شے کو میں عزیز نہیں سمجھتا یوں تو مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ مگر بیٹا کہ زندگی کے باغ کا پھل ہے۔ مجھے ترس ترس کر ملا ہے۔ اس شہر میں ایک درخت ہے جو لوگوں کا زیارت گاہ ہے اور لوگ دُور دُور سے وہاں مرادیں مانگتے آتے ہیں چنانچہ میں بھی کئی راتیں اس درخت کے تلے جاگا اور خدا سے تضرع اور زاری کے ساتھ دعائیں مانگتا رہا ہوں۔ اب اخیر عمر میں خدا نے میری سنی ہے ادیہ نور بصر جو میرے اندھیرے گھر کا اوجالا ہے۔ دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ کو کسی ضرورت سے میزبان کے پاس اٹھ کر دوسرے کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا تو اس نے سنا کہ وہ اڑکا جس پر باپ جان دیتا تھا اپنے یار آشناؤں میں بٹھا کہ رہا تھا کہ یارو دعا مانگو کہ یہ بُد نامزخرف جلد ڈھلک جائے تاکہ گنج بے قیاس تھ آئے اور پھر خوب کچھ اڑائیں۔ چلو اس درخت کے تلے چل کر دعا مانگیں کہ یہ پیر فرات جلد راہی ملک بقا ہو۔

جب سعدی نے یہ گفتگو سنی تو اس کے دل پر سخت صدمہ ہوا اور دُنیا کی بیوفائی کا نقشہ اسکی آنکھوں کے تلے پھر گیا۔ سچ ہے دنیا مطلب کی ہے۔

شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ دیار مغرب میں میرا گذر ایک مکتب میں ہوا۔ وہاں کا معلم تلخ گفتار۔ بد خو۔ مردم آزار اور ناپرہیزگار تھا اسکی کریمہ صورت کو دیکھ کر لا حول پر پڑنے کو دل چاہتا تھا۔ قرآن شریف وہ ایسی بری آواز سے پڑھتا تھا کہ اُسے سُکر بجائے رقت ہونے کے مسلمانوں کا دل اور سخت و سیاہ ہوتا تھا۔ مکتب کے لڑکوں کی روح اُسکی صورت دیکھ کر فنا ہوتی تھی کسی لڑکے کو طیاب نہ مارتا تھا۔ کسیکو شکنجہ چڑھاتا تھا۔ اہل محلہ نے اُسکی خیانت لفظ سے تنگ آکر اسے مکتب سے نکال دیا۔ اور اُسکی جگہ ایک فرستہ خصلت نیک سیرت۔ میسکن مزاج۔ سلیم الطبع اور کم سخن شخص کو مقرر کیا۔ لڑکوں کو ایسا اُستاد خدا دے۔ ایسے شریر ہو گئے کہ مکتب سر پر اٹھالیا۔ گناہیں پہاڑ ڈالیں۔ فلمیں اور دواتیں توڑ دیں۔ تختیاں اٹھا کر ایک دوسرے کے سر پر مارنے لگے۔ اہل محلہ ان انخوان الشیاطین سے ایسے تنگ آئے کہ ناچا معلم اول پھر بلایا۔ چند روز کے بعد پھر جو میرا گذر اُس کو چہ میں ہوا۔ تو معلم اول کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تو میں نے پوچھا کہ دوبارہ اس ابلیس کو فرشتوں کا معلم کس لئے بنایا ہے۔ وہاں ایک ظریف پیر مرد جو بڑا بہانہ دیدہ تھا کھڑا تھا۔ اُس نے جب مجھے حیران دیکھا تو ہنس کر کہا ہے

بادشاہ ہے پسر مکتب داد لوح سیمینش در کنار ہناد
بر سر لوح او نوشتہ بنزد جو را اُستاد بہ نہ ہر پیر
ایک دفعہ ذکر ہے کہ شیخ مرحوم تلخ سے روانہ ہوا۔ راہ میں ڈاکوؤں کا بڑا خوف تھا۔ ان کے قافلہ کے ساتھ ایک آدمی تھا جو اپنی قوت اور زور پر بہت نازاں تھا۔ اُسکی کمان اتنی سخت تھی کہ دس آدمی بھی اُسکو نہیں کھینچ سکتے تھے۔ لغزہ اس ور سے مارتا تھا کہ جیسے رعد گر جتا ہے اور اُسکے جینے سے کان کے پردہ پھٹے پڑتے تھے۔ راہ میں جہاں کہیں جو درخت بلجاتا اُسے یخ بن سے اکیڑ لیتا تھا۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے قافلہ سالار سے کہا کہ خبردار رہنا

چاہتے۔ قزاقوں کی آمد کی علامات نظر آتی ہیں۔ جوان نے جواب دیا کہ کچھ خوف کا مقام نہیں۔ میرے خوف سے شیرازیانِ نستان چھوڑ کر بھاگتے ہیں اور پیل دماں خود بخود رام ہوتے ہیں۔ قزاقوں کی کیا مجال ہے کہ میرے سامنے سے نمودار ہوئے اور ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ شیخ نے کہا اسے پہلوان کیا دیکھتا ہے۔ وہ دیکھ دشمن آپہنچے۔ اگر مرد میدان ہے تو کچھ جوہر دکھاتا۔ قزاقوں کے دیکھتے ہی اس پہلوان کے ماتھے پاٹوں میں رعشہ پڑ گیا۔ تیر و کمان ماتھے سے گر گئے۔ اور چہرہ کارنگ زرد ہو گیا۔ سب پہلے شیخ نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر چوروں کی نذر کئے۔ شیخ کی دیکھا دیکھی سب نے اپنا مال و متاع خون جگر پیکر ڈاکوؤں کے حوالے کیا اور جان بچائی۔

شیخ کی سیاحت میں ریائے عمان کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ ایک دفعہ شیخ علیہ الرحمۃ کا گذر عمان کی ولایت میں ہوا۔ اُس وقت شیخ عشرت اور تنگی کے ماتحتوں سخت مجبور تھا۔ کپڑوں کی دھجیاں اڑی ہوئی تھیں۔ پیرا من میں ہزاروں پونڈ لگے ہوئے تھے۔ ملازمان شاہی نے اسکو اجنبی صورت دیکھ کر حام کرایا اور عمدہ لباس فاخرہ پہنا کر حضور شاہ میں پیش کیا بادشاہ نے دریافت کیا کہ سناؤ تم نے بہت دور دراز کا سفر کیا ہے۔ تمہاری رائے میں میرے ملک کی حالت کیسی ہے۔ شیخ نے عرض کیا کہ قبلہ عالم۔ رعیت جتنی آسودہ اور خوشحال اس دیار میں دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ جہاں کہیں مجھے قیام کرنے کا اتفاق ہوا میں نے خرابات خراب اور مسجدیں آباد دیکھیں اور ہر جگہ میری خاطر خواہ مہمان نوازی ہوئی۔ غرض شیخ مرحوم نے ایسی برجستہ تقریر کی کہ بادشاہ دل و جان سے شیخ کی حسن گفتار کا شیدہ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ شیخ نے بادشاہ کے مزاج میں ایسا دخل پایا کہ خلوت و جلوت میں موجود رہنے لگا۔ بادشاہ نے شیخ کو ہر پہلو سے آزمایا اور اس عقل کے کمرے میں کسی طرح کا کوٹ نہ پایا۔ ایک دن دربار عام کر کے شیخ کو خلعت وزارت بخشا اور اپنا دستورِ معظم مقرر

کیا۔ جو رفتہ رفتہ کل کار و بار کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ وزیر سابق کو اس بات سے سخت رشک و حسد ہوا اور وہ اس بات کے دریغ ہو کر کسی نہ کسی طرح سے کوئی نہ کوئی عیب لگا کر اُس کو شاہی سے گرائے۔ مگر شیخ زمانہ دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ تھا اُس نے کبھی کوئی کام ایسا نہ کیا۔ جس سے اُس کو گرفت کا موقع ملتا۔ اسی وقت اُس کے دو پر پچھڑے غلام آسمان حسن جمال کے آفتاب و مانتاب تھے۔ شیخ جو ہمیشہ سے حسن پرست تھا۔ اُن کو بہت عزیز رکھتا تھا اور اکثر اُن کو اپنے روبرو بٹھائے رکھتا تھا۔ اس کے دشمن جو ہر وقت تاک میں لگے رہتے تھے۔ اس بات کے سہمو گئے اور پرہیز کا کوٹا اور تنکے کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا۔ جب بادشاہ کو خبر لگی تو اُسے سخت غصہ آیا۔ مگر وہ آدمی بڑا دانا تھا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ یہ اُس کے دشمنوں کی افترا پر داری معلوم ہوتی ہے۔ جب تک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں تب تک اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ غرض اُس دن سے بادشاہ ان تینوں کی حرکات اور سکناات پر خفیہ نظر رکھنے لگا۔ اتفاقاً ایک دن دربار میں تمام شخص حاضر تھے۔ ناگاہ شیخ نے نظر اٹھا کر ایک غلام کی طرف دیکھا۔ غلام بھی زیر لب مسکرایا۔ اس سے بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ ضرور کچھ وال میں گالا ہے۔ یہ بادشاہ نہایت رحم دل تھا۔ بادجو دیکھ اپنی آنکھوں سے اُسے شیخ کی اشارہ بازی دیکھی تھی مگر ضبط کیا۔ اور نہایت آہستگی کیسا تھ شیخ سے کہا۔ تجھ کو میں نے دانا سمجھا تھا۔ مجھے یہ اُمید تھی کہ تو دیانتداری سے ہر ایک کام کو انجام دے گا افسوس مجھے یہ خبر نہ تھی کہ ظاہر و باطن تیرا کیسا نہیں ہے۔ ظاہر میں تو سنا ہے مگر باطن میں پتیل سے بدتر۔ ظاہر میں تو پارسا اور پرہیزگار ہے اور باطن میں شوخ۔ بیجا۔ اور سیہ کار ہے۔ آج مجھے تحقیق ہو گیا کہ تو اس بلند مرتبہ کے لائق نہیں ہی۔ مگر خیر اسمیں تیرا قصور نہیں۔ جو کچھ خطا ہے وہ میری ہے نہ میں بدگھر کی پرورش کرتا نہ میرا خاٹن سے پالا گیا۔ جب سعدی نے بادشاہ کو بہت برہم دیکھا تو نہایت ادب سے عرض کی کہ حضور کو کسی میرے دشمن نے بدظن کر دیا ہے۔ دراصل

میرا دامن آلائشِ مجرمِ گناہ سے پاک ہے۔ بادشاہ نے عصہ ہو کر جواب دیا کہ کیوں ناحق باتیں بناتا ہے۔ وزیر سابق سے مجھے تیری فیلسوفیاں سب پہنچ چکی ہیں اور اُن کی تصدیق میں نے اپنی آنکھ سے کر لی ہے۔ شیخ نے عرض کی کہ وزیر جو کچھ بُرا کہے بجا ہے۔ حضور نے اسکی جگہ مجھے مرحمت کی ہے۔ حسد اور بغض کی آگ اُسے جلائے بغیر کرے۔

شورِ بختاں بہ آرزو خواہند
مقبلاں راز و الِ نعمت و جاہ
گر نہ بنید بروزِ شپہرِ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ
حضور نے شاید ابلیس کی حکایت نہیں سُنی۔ کہتے ہیں ایک شخص نے ابلیس کو خواب میں دیکھا تو نہایت حینِ پایا۔ اُس نے شیطان بے ایمان کو ایسا پاکیزہ طلعت دیکھ کر بہ تعجب تمام پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے تیری صورت نہایت سگمگین۔ ڈراونی اور بھیانک بیان کی ہے اور حمام میں بھی تیری تصویر نہایت مکر وہ کھینچی ہے۔ اور اسوقت تجھے میں بالکل اسکے عکس دیکھتا ہوں۔ شیطان منہسا اور کہنے لگا۔ میرا اسمیں کیا قصور ہے تصویر کا مٹو وہ ہے جسکی بنیاد میں نے بہشت سے اُگھڑی تھی۔ بس حضور میرا بھی بعینہ وہی معاملہ ہے۔ میں نے دراصل کوئی گناہ نہیں کیا۔ مگر وزیر سابق جسکی جگہ حضور نے مجھے ممتاز فرمایا ہے۔ برسرِ پرِ خاش ہے اور وہ ضرور میری طرف سے حضور کے کان بہر تار ہینگا۔

بادشاہ نے برا فروختہ ہو کر جواب دیا۔ اے مجرم۔ تو اپنی لسانی اور زبان درازی سے کبھی بری نہیں ہو سکتا میں نے تجھے بختیم خود اُس غلامِ ناکام سے آنکھیں لڑاتے دیکھا۔ سعدی نے ہنس کر جواب دیا۔ بس یہی قصور ہے۔ تو اس سے مجھے انکار نہیں سچ کو کبھی آریخ نہیں آتی۔ قبلہ عالم۔ میں ان دونوں برغور داروں کو ضرور دوست رکھتا ہوں۔ اسلئے کہ خدا نے انہیں حسنِ ظاہری و باطنی عنایت کیا ہے۔ جب میں ان پاکیزہ صورت دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا زمانہ یاد آتا ہے کہ میرا

بھی اسی طرح پھول سا چہرہ تھا۔ میرا بھی اسی طرح بلور سا شفاف بدن تھا۔ میرے بھی اسی طرح آنہوں سے سیاہ بال تھے۔ میرے بھی ایسے ہی موتیوں کی طرح سیفد دانت تھے۔ آج وہ دن ہے کہ بال میرے برف سے زیادہ سفید ہیں۔ چہرہ پر چھریاں پڑ رہی ہیں اور دانتوں میں کڑکیاں نظر آرہی ہیں۔ اے عادل بادشاہ۔ کیوں نہ ان نوجوانوں کی طرف میں حسرت کیساتھ دیکھوں یہ مجھے میرا گدڑا ہوا نہ مانجو میں نے حالت لا اوبالی میں ضائع کیا ہے یاد دلاتے ہیں بادشاہ کو اس مؤثر تقریر سے ایک رقت سی طاری ہو گئی اور اس نے شیخ کی عقل و دانش پر ہزار آفریں کی۔

جس قدر تنگی عسرت اور مصیبت شیخ نے سفر میں اٹھائی۔ اسکا برداشت کرنا شیخ کا ہی کام تھا۔ کوئی آؤڑ ہوتا تو کبھی جانبر نہو سکتا۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ شیخ نے سفر سے بہت وسیع تجربہ حاصل کیا۔ مگر جب ہم اسکی بیہمتیوں کے ساتھ اندازہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تجربہ کسی طرح شیخ کو سستا نہیں پڑا۔ شیخ نے اپنے ذاتی تجربہ کے بعد سفر کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ سفر پانچ قسم کے اشخاص کو زیبا ہے:-

اول۔ دو تہمتد کو

منعم بکود و دشت و بیا باں غریبیت

ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

دوم۔ عالم فاضل کو جو فصیح و بلیغ ہو

وجود مردم دانا مثال ز رطل است

کہ ہر کجا کہ رود قدر و قیمتش دانند

سوم۔ خالص صورت کو

شاہد آنجا کہ رود عزت و حرمت بند

وہر برانند بقدرش پدید و ماد ز نویس

پر طاؤس در اوراق مصاحف دیدم
گفتم ایس منزلت از قدر تو معنیم بیش
گفت خاموش کہ ہر کس کہ جمالے دارد
ہر کجا پاٹے ہند دست بدارندش پیش

چہارم :- خوش آواز کو سے

چہ خوش باشد آواز نرم و خریں
بگوش سریفان مست صبح
بہ از روئے زیبا است آواز خوش
کہ ایں خطا نفس است و آن وقت روح

پنجم :- صاحب ہنر کو یعنی اہل پیشہ کو سے

گر بغریبی رود از شہر خویش
سختی و سخت نبرد پارہ دوز
در بخرابی فتد از ملک خویش
گر سہ خسپد ملک نیم روز

پوتھا باب

مراجعت اور وفات

جب قتلغ خان ابوبکر سعد زنگی کی جگہ جلوہ آرائے سر پر سلطنت ہوا تو شیخ نے بقول
پروفیسر اتھی شہداء میں وطن کا رخ کیا۔ قتلغ خان نے فارس کو جہاں
آفات و حوادث کے فتنہ برپا ہو رہے تھے۔ اپنی دانشمندی اور حسن تدبیری سے
وادٹے ایمن بنادیا تھا۔ شیراز کی خانقاہیں عبادت خانے۔ مدرسے اور مسجدیں جو

تاجک از بک پہلوان اور سلطان عیاش الدین کے حملوں اور تاخت و تاراج سے
ویران ہو گئی تھیں۔ اسکے عہد میں آباد ہو گئیں۔ اس شیخ شیراز کے مدارس اور مساجد
کے لئے گانوں اور جاگیریں تف کیں۔ شفا خانے بنوائے اور حاذق طبیبان پر
مقرر و مامور کئے۔ اسل مرکئی تائید شیخ کی کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اسکا وہ قطعہ
جو اُس نے مراجعت کیوقت کہا۔ مفضل ذیل ہے۔

ندانی کہ من در اقصایم غربت جرار وز گارے بکردم در رنگی
بدورستم از تنگ ترکاں کہ دیدم یہاں درہم افتادہ چوں موئے زنگی
ہمہ آدمی زادہ بودند لیکن چو گرگاں بخونخوار گئی تیز جنگی
مدوں مردے چوں ملک نیک محضر بروں لشکر سے چوں ہزبر ان جنگی
چو باز آدم کشور آسودہ دیدم پلنگاں رہا کردہ خوئے پلنگی
چنباں بود در عہد اول کہ دیدم جہاں پرز آشوب و تشویش و جنگی
چنہیں شد در ایام سلطان عادل تاجک ابو بکر بن سعد زنگی
جب شیخ شیراز میں واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ تاجک ابو بکر میں یہ سخت
عیب ہے کہ وہ علماء اور فضلاء سے سخت بدگمان رہتا ہے اور جاہل فقیروں
اور خانہ بدوش درویشوں کی حد سے زیادہ قدر و منزلت کرتا ہے۔ چنانچہ
اسی بدگمانی کے باعث اُس نے امام صدر الدین محمود۔ امام شہاب الدین
تو وہ بشتی مولانا غزالدین وغیرہم کو طرح طرح کے عذاب اور زبرد و تہدید سے جلا
وطن کر دیا تھا۔ تاجی غزالدین علو جیسے سندی سید کا مالک ملک ضبط کر لیا تھا
اپنے والد بزرگوار کے وزیر اعظم محمد الدین ماسعد کو مع اُسکے فرزند تاج الدین محمد کے
قلعہ میں قید کر دیا تھا اور وہ بیچارہ قید خانہ میں مڑچکا تھا۔ یہ حال دیکھ کر شیخ
نے مناسب سمجھا کہ ایسے بادشاہ کے زمانہ میں اس سے زیادہ ملنا قرین مصلحت
نہیں چنانچہ وہ ہر آفت نرسد گوشتہ تنہائی را کے معمول پر کار بند ہوا۔ دربار
میں بہت ہی کم آیا جایا کرتا تھا۔

اسی ابو بکر کی نسبت تاریخ و مصنف میں ایک عجیب روایت درج ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نیم نما خطہ ایمان فیصلت تاب بن کر ابو بکر کے دربار میں آیا۔ انہوں نے نہایت تعظیم و تکریم کی اور نماز کی وقت اُسے امام بنایا۔ نیم نما نے قرأت میں کئی غلطیاں کیں۔ جس سے آتا بک بہت خوش ہوا اور اُس کو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے رخصت کیا۔ شیخ کی معاودت وطن کے کچھ عرصہ بعد خواجہ علاء الدین نے شیخ کو پچاس ہزار دینار دے دیے اور اس امر پر مجبور کیا کہ وہ ان کو قبول کر کے اپنی زندگی میں ہی اپنا مقبرہ بنالے۔ شیخ نے ہر چند ان کے لینے سے انکار کیا۔ مگر اُس نے منت و سماجت سے اسکو راضی کر لیا چنانچہ شیخ نے اپنی زندگی میں اُس رقم سے ایک عالیشان خانقاہ پہاڑ کے نیچے جو کہ گوشہ شمال و مغرب میں شہر سے ملا ہوا ہے بنوائی۔ اور آخر عمر تک وہیں غزلت نشین رہا +

شیخ نے وطن میں آکر مکروہات و دنیاوی کو یکلیخت ترک کر دیا اور اس لئے بے نیاز میں دن رات خیالات لقوٰف میں مشغول رہنے لگا۔ جس قدر اس کا خیال طالب علمی کے زمانہ میں تقوٰف کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ اسی قدر آخر عمر میں مائل ہو گیا۔ چنانچہ دور دور سے لوگ اور اہل علم حقائق و معارف کے دقائق و خواص پوچھنے آتے اور اس کے فیضانِ محبت سے مستفیض ہوتے تھے +

آخر اس صاحب کمال کا بھی پیمانہ عمر لبریز ہوا اور بقول پروفیسر اہی بھتی ۹۲ سالہ میں جمعہ کے دن ماہ ستمبر مطابق شوال ۶۹۱ھ ہجری میں شیخ علیہ الرحمۃ کا مرنے کا روحِ قدس غفری سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گیا۔ کسی شاعر نے تاریخ وفات اس طرح کہی ہے ۵

دور بحر معارف شیخ سعدی کہ در دریائے معنی بود غواص
ماہ شوال روز جمعہ اوجش بدایں در گاہ رفت از روضہ اخلاص
یکے پُر سید سال فوت گفتم ز خاصاں بود از ان تاریخ شفاصر
شکستہ میں ولیم ترنیکل انگلستان کا ایک سیاح فارس گیا تھا اُس نے

شیخ کی مزار کا نقشہ اپنے سفر نامہ میں بدیں الفاظ کھینچا ہے:-
 شیخ کا مزار مقام دنگشا سے ایک میل جانب شرقی پہاڑ کے نیچے واقع ہے
 عمارت اسکی بہت بڑی اور مربع ہے اور قبر سنگین نبی ہوئی ہے۔ اسکا طول
 چھ فیٹ اور عرض اڑھائی فیٹ ہے۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم
 خط نسخ میں کندہ ہے۔ جس میں شیخ کا اور اسکی تعینات کا حال درج ہے
 قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبر پوش سے جسر سنہری کام ہو رہا ہے۔ ڈھکی ہتی
 ہے اور اسپر شیخ مرحوم کے دو اشعار خط نستعلیق میں لکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں
 کہ مفصل ذیل اشعار ہیں:-

الا اے کہ بر خاک ما بگذری سناک عزیزاں کہ یاد آوری
 اگر خاک شد سعدی اور اچہ غم کہ در زندگی خاک بود است ہم
 جب اس قبر پوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر کا تعویذ دکھائی دیتا ہے۔ اکثر اہل اسلام
 جو اطراف وجوانبے شیخ کی مزار پر آتے ہیں۔ وہ بچوں اور دیگر اقسام کے چڑھاوے
 چڑھاتے ہیں اور زائچہ کے مطالعہ کے لئے ایک نسخہ شیخ کی کلیات کا نہایت
 خوشخط لکھا ہوا مزار پر رکھا رہتا ہے۔ مقبرہ کی دیواروں پر بہت فارسی اشعار
 لکھے ہوئے ہیں جو لوگ دور دست مقامات سے وہاں آتے ہیں۔ یہ اشعار
 انہوں نے لکھے ہیں۔ شیخ کے مقبرہ کی عمارت اب روز بروز گرتی جاتی ہے
 اور اگر اب اسکی خبر جلد نہ لی گئی تو وہ بالکل کھنڈر ہو جاوے گی۔ نہایت
 افسوس کی بات ہے اور زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص کو اصلی مرمت
 کرانے کا خیال نہیں ہے۔ اس مقبرہ کے متعلق اکثر دغیداروں اور بزرگوں کے
 مزار ہیں جنہوں نے اپنی خواہش سے یہاں دفن ہونا چاہا ہے +

مہر گور اوسلی صاحب لکھتے ہیں کہ سالہء کے شروع میں جبکہ باج سوم
 بادشاہ انگلستان کی طرف سے میں بعدہ سفارت فتح علیشاہ قاچار کے پاس
 پیغام لیکر تھران کو جاتا تھا۔ اُس وقت کئی چینی شیراز میں میرا مقام تھا

جب تک میں بات نہ کرے۔ اکثر شیخ کے مزار پر جاتا تھا۔ شیخ فرنگیوں کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جا کر ہوتی ہے۔ اُسکی قرب حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہو گئی ہے۔ اور تمام عمارت عنقریب منہدم ہو اچا ہتی ہے۔ باغ اور درخت جو زمانہ سابق میں وہاں تھے۔ ان کا اب نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جاوے تو اس مقبرہ کی مرمت بخوبی ہو سکتی ہے اور میری حسن عقیدت نے جو کہ میں شیخ اور اُس کے کلام کے ساتھ رکھتا تھا مجھ کو آمادہ کیا کہ اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے شیخ کے مقبرہ کی مرمت کرا دوں مگر شاہ ایران کا پانچواں بیٹا حسین علی مرزا جو اُس وقت فارس کا گورنر تھا اُس نے مجھ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور نہایت سرگرمی سے کہا کہ میں اس مقبرہ کی مرمت کرا دوں گا۔ آپ کیوں اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ میں شیخ کے مزار کی مرمت اسی اسلوب اور عہدگی سے کرا دوں گا جیسا کہ کریم خاں زند نے خواجہ حافظ کے مزار کی کرائی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ شیخ کا مذہب جیسا کہ اُسکی کلام سے ثابت ہوتا ہے تسنن تھا۔ قاضی نور اللہ شوشتری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ اُس کا مذہب شیعہ تھا۔ مگر یہ غلط ہے اُس کے سنت جماعت ہونے میں ذرہ بہر بھی کلام نہیں ہے۔ سرگور او سلی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیخ مرحوم نے شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے بیعت کی تھی۔ یہ بات بھی مبالغہ سے خالی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ شیخ سعدی کی ولادت سے پہلے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میں وفات پا چکے تھے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ شیعہ بے تبرا اور سُنی بے تعصب تھا۔ مولوی حالی لکھتے ہیں کہ ہم ایسے شخص کو جو مقبول فریقین تھا ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود نہیں بنانا چاہتے۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے تعصب تھا اور یہی اُسکے ناجی ہونے کی دلیل ہے۔

شیخ مرحوم ایک سادہ مسلمان تھا۔ وہ دکھاوے اور ظاہر داری سے

کو سوں بھاگتا تھا۔ شیخ جانتا تھا کہ میں بشر ہوں اور اقمقنائے بشریت سے خالی نہیں سکوا اپنی تقدس مآبی تبتانے کے لئے طح طرح کے ہروپ بہرنا نہیں آتا تھا اس کا اصول یہ شعر تھا ۵

کلید درد و زنج است آں مناز
کہ در روئے مروجہ گذاری دراز

پانچواں باب شیخ کی شہرت اور لوگوں کی عقیدت

ابھی شیخ مرحوم مدرسہ ہی میں تھا کہ اُسکی فصاحت و بلاغت کا اُشہرہ کا شہر تک جو شیراز سے چھینا سولہ سو میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گیا۔ رفتہ رفتہ اُسکی شہرت نے اُسکی زندگی ہی میں تمام ایران۔ ترکستان۔ تاتار۔ ہندوستان وغیرہ کو تسخیر کر لیا اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُسکا کلام ایشیا۔ یورپ اور افریقہ میں ترجمہ ہو کر نہایت قدر اور منزلت کے ساتھ دیکھا گیا۔ جو عام قبولیت شیخ کے کلام نے حاصل کی ہے۔ وہ ہماری رائے میں تمام دنیا میں کسی مصنف یا شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔

شیخ مرحوم کی اس غیر معمولی شہرت کا باعث یہ ہے کہ وہ ایک انوکھا صاحب نظر تھا۔ اسکو نظم و نثر دونوں میں اس درجہ کی دسترس تھی کہ اُسکی تحریر فوراً دیکھنے اور سننے والوں کے دل پر اپنا تسلط جمالیتی تھی۔ وہ نظم و نثر دونوں کا حلیع تھا۔ اُس کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہنظر ناظم تھا اور اُسکی نثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جیسا نثار نہ کوئی ہوا ہی نہ ہوگا۔ تاریخ کا ذکر آئے تو وہ ایک صاحب نظر مورخ تھا۔ تفسیر کا موقع آئے تو وہ ایک باخبر مفسر تھا۔

علم ادب کا بیان ہو تو وہ ایک فاضل ادیب تھا۔ فلسفہ کا دہیان آوے تو وہ اچھا خاصہ فلسفی تھا۔ فقہ اور فقاہ کے مجموعوں میں حسن فصاحت کے ساتھ وہ شغل افشانی کرتا تھا جو اسی کا حصہ تھی۔ اور نقوف میں تو ایک عالم خاص تھا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود میں علم اشراق کا پرتو دے کر کبھی ابوسعید ابوالخیر تھا اور کبھی محی الدین عربی ۛ

شیخ میں ایک نرالی بات یہ تھی کہ صاحب قلم و زبان تھا۔ جب قدر اسکی تحریر میں زور تھا۔ اُس سے دس گنا اسکی تقریر میں شور تھا۔ اس غلبہ بیانی اور طبع اللسانی سے وہ بحث و مناظرہ کی مجالس میں اپنا رنگ جالیتا تھا۔ کہ اسکی رائے سب پر غالب رہتی تھی ۛ

شیخ کی جاد و بیانی کا مختلف ممالک میں اس قدر چرچا ہے کہ اُس کا کلام ضرب الامثال ہو گیا ہے۔ نصیحت کے وقت لوگ جس بڑاقتے سے شیخ مرحوم کے اشعار پڑھتے ہیں اور کسی شاعر کے نہیں پڑھتے۔ خواہ کیسا ہی محل یا موقع ہو۔ اس باکمال کے اشعار بر محل اور مناسب موقع اُس کی تصنیف کے بے باغیرہ میں ملتے ہیں۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جس کے باعث جمہور نے اسکی کلام کو زیادہ تر پسند کیا۔ شیخ نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ اُس کو عوام الناس کی ضروریات و روزانہ معاملات کا کما حقہ علم تھا۔ اسلئے جو وہ کہتا تھا وہ حسب حال اور نہایت چھبٹی ہوئی کہتا تھا۔ جو بات حسب حال اور مناسب موقع معلوم ہو۔ وہ بغیر بحث و محبت کے خود بخود دلوں پر نقش ہو جاتی ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور اُس کا کلام اطراف عالم میں پھیل گیا ۛ

شیخ علیہ الرحمۃ نے طبیعت انسانی کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے وہ خاص طبیعت سے کما حقہ آگاہ تھا۔ اور لوگ اس ملکہ کے باعث اُسے تر جازن اسرار اور لسان الغیب کہتے تھے ۛ

شیخ کی بقولیت کلام کی نسبت ایک روایت زبان زدِ خلایق ہے کہ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازہ یکا یک کھل گئے اور فرشتے نور کے طبق لیکر زمین پر نازل ہوئے۔ اس بزرگ نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ شیخ کی ایک بیت جنابِ الہی میں مقبول ہوئی ہے۔ اور یہ اُس بیت کا صلہ ہے۔ وہ بیت یہ ہے ۵

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار

ہر درختے و فقریت معرفتِ کردگار

اس عجیب ماجرا کے سنتے ہی وہ بزرگ خواب سے بیدار ہو گئے اور اُس وقت شیخ مرحوم کے غزلت خانہ پر یہ مژدہ جاں پرور سنانے گئے۔ وہاں دیکھا کہ شیخ علیہ الرحمۃ چراغِ جلائے بیٹھے ہیں اور مجھوم مجھوم کر کہہ رہے ہیں ۵

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار

ہر درختے و فقریت معرفتِ کردگار

یہ حکایت نہایت مشہور ہے۔ چنانچہ اسی حکایت پر فیضی کے مخالفین نے ایک دلچسپ مضمون تراشا ہے کہ شیخ فیضی نے سنا تھا کہ شیخ علیہ الرحمۃ کو ایک شعر کے صد میں اولیا کا رتبہ مل گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آؤ ہم بھی ایک برجستہ شعر کہہ کر دلی بن جاویں۔ چنانچہ نل دمن کی تمہید لکھتے لکھتے یہ شعر کہہ ۵

در ہر بنِ موکہ مے نہی گوش

نوارۂ فیضِ ادست در جوش

یہ شعر ان کو بہت پسند آیا اس کو بار بار مجھوم مجھوم کر پڑتے تھے اور شیخ مرحوم کی طرح صلہ کی توقع میں آسمان کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جب کئی بار پڑھا اور کوئی فرشتہ نور کے طبق لیکر نہ آیا تو ایک مرتبہ بقیہ را ہو کر اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ شعر بلند آواز سے پڑھا۔ اتفاقاً ایک چیل منڈیر

پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فیضی کی آواز سن کر اڑی اور ہنگام پر دانیچال چھوڑی
جو فیضی کے منہ پر آکر پڑی۔ فیضی جنہما یا اور کہا بس صاف رکھئے شعر فی
عالم بالا معلوم شد *

یہ مضمون غالباً عہد القادر بدادنی کا تراشا ہوا ہے اور اسپر لوگوں نے اوڑ
حاشیہ یہ چڑایا ہے کہ جب رومال سے فیضی منہ کو صاف کر رہے تھے تو پروں
سے کسی نے یہ شعر پڑھ دیا ہے

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کو کہن بگڑا۔

چاہب چال کو آہنس کی اُسکا چلن بگڑا

اور جب عرفی شیرازی کو خبر ہوئی تو اُس نے مہنس کر کہا آنچہ انسان میسکند
بوزینہ ہم *

شیخ کی نسبت کسی بزرگ کا خواب دیکھنا کسی طرح عقل یا نیچر کے خلاف نہیں ہے
خواب کا ایک حد تک سچا ہونا اور انہیں معمولی باتوں کا غیر معمولی صورت میں
نظر آنا ایک ایسا مسلم امر ہے کہ آجکل کے فلسفی بھی اُس سے انکار نہیں کر سکتے
شیخ کا شرہ اندون میں عوج عیوق پر تھا۔ شیخ ہر طرف سے مرجع خلایق ہوا
تھا۔ اُسکا علم و فنمئل۔ اُسکی فقر و درویشی۔ شاعری۔ لطیفہ گوئی اور بذلگی
ایک عالم میں مشہور تھی۔ جس کے باعث اکثر بزرگوار اُسکو نظر عہد و رشک
سے دیکھتے تھے اور اگر ایک بزرگ نے ایسی حالت میں جبکہ شیخ کی نسبت
حسن ظن اُس کے دل میں غالب تھا۔ مذکورہ بالا واقعہ خواب میں دیکھ لیا ہو
تو ذرہ بھی تعجب نہیں ہے *

البتہ فیضی کی نسبت جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ سراسر بوج و پلج ہے
اور اُسکے دشمنوں کی من گھڑت کہانی ہے اور اُسکا آخری حصہ تو بالکل بے سرو پا
ہے اور جو شعر بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے پڑوس میں اتنا فاقا پڑھو یا وہ آتش
کا مشہور شعر ہے۔ جو فیضی سے بہت عرصہ بعد ہوا۔ کہاں فیضی اوڑ

کہاں خواجہ حیدر علی آتش۔ وہی مثل ہوئی ۵
 چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
 الا یا ایہا الساقی اور کا سا و نا و لسا
 غرض شیخ نے وہ شہرت اور بلند آواز کی حاصل کی جو کسی مصنف کو آج تک
 نصیب نہیں ہوئی چنانچہ خود شیخ نے گلستان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ
 ”ذکر جمیل سعدی کہ در افواہ عوام افتاد۔ وصیت سخنش کہ در زمین بسط افتاد
 اُس کا وجود خالص سونا سمجھا جاتا تھا اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا۔ لوگ اُس کے
 پا انداز میں آنکھیں بچھاتے تھے +

چونکہ شیخ کی تصنیف میں ستر پاپا اخلاق اور تہذیب نفس کے مضامین
 مندرج ہیں اسلئے لوگوں کو اُس سے ایک خاص عقیدت اور ارادت پیدا
 ہو گئی تھی اور بڑے بڑے امراء اور اعیان سلطنت اُسکی زیارت کو سوائے
 دارین اور اُس کے کلام کو تبرک سمجھتے تھے +

شیراز میں جو شخص حاکم ہوتا تھا وہ شیخ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور
 ہمیشہ ادب سے پیش آتا تھا۔ سردار انگلیا نو جب کو شیخ نے اپنی کلیات میں سپند
 و موعظت کا مخاطب پڑایا ہے۔ شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا۔
 ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیراز میں سپاہیوں نے شیخ کے بھائی پر جو بے وفائی کی دوکان
 کیا کرتا تھا۔ اُسکی دوکانداری کے متعلق کچھ جبر و تعدی کی۔ شیخ کو بھی اس معاملہ
 کی خبر ہوئی۔ اُس وقت شیخ حضرت ابو عبد اللہ ابن حنیف کی خانقاہ پر
 مجاور رہتا تھا۔ اُس نے ایک قطعہ شعر شکایت لکھا۔ جس میں اہل فوج کی
 شکایت اور اپنے بھائی کی دوکانداری اور بیوقوفی کا حال تھا۔ وزیر نے فوراً
 اس امر کا تدارک کیا اور خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی اور ایک ہزار درہم
 پیش کر کے عرض کی کہ یہ حقیر رقم بطور ہرجانہ آپ کے بھائی کے لئے ہے۔ شیخ نے
 لیکر بھائی کے پاس بھیج دی +

شیخ کی عقیدت اور ارادت حاکم ایران تک ہی محدود تھی۔ بلکہ شام اور عراق عجم اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اندر شیخ کا یہ دستور تھا اور شیوہ تھا کہ وہ پیسا کا نہ نصیحت کرتا تھا۔ اس بات کی اسکو کچھ پرواہ نہ تھی کہ اسکی سچی بات کیسکو کڑوی لگتی ہے یا میٹھی۔ بقول علی بن احمد جس طرح شیخ آزادانہ طور پر نبرد و موعظت بادشاہوں کو کرتا تھا۔ وہ آجکل کے زمانہ کے مشایخ و علماء ایک نقال یا قصاب کو بھی نہیں کر سکتے۔

سردار انکیا نو جو باقا خاں کی طرف سے صوبہ فارس کا صوبہ دار تھا۔ اور جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے ایک بار عجب و داب مغل تھا۔ جبکی مہبت اور ویدہ بے بٹے بڑے باخشیہ حاکموں کا نہرہ آب ہوتا تھا۔ شیخ کی کلام کو ہمیشہ تعظیم اور تکریم کی نگاہوں سے دیکھتا تھا اور اسکی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں ہم نے دوسرے باب میں لکھا ہے کہ شیخ جامع مسجد دمشق میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مرقد منور پر متکف تھا عرب کا ایک بادشاہ جو ظلم اور بے انصافی میں مشہور تھا۔ مسجد میں آیا اور نماز سے خارج ہو کر شیخ کے پاس گیا اور کہا مجھکو ایک خوفناک غنیم کا اندیشہ ہے آپ میرے حق میں دعا کریں کہ مظفر منصور ہو جاؤں۔ شیخ نے کہا۔ مکرور رعیت پر رحم کرنا کہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے۔

ہر آنکہ خشم بدی کشت و چشم نیکی داشت

دماغ یہودہ نخت و خیال باطل سبت

ایک دفعہ عراق عجم میں ایک بادشاہ نے شیخ سے کہا کہ میرے حق میں دعا ہے خیر فرمائیے۔ شیخ نے کہا یا خدا! کی جان لے لے۔ اس نے حیوان ہو کر پوچھا یا رب خدا یہ کیا دعا ہے۔ شیخ نے کہا۔ یہی دعا ہے تیرے حق میں دعا ہے۔

ظالم را خفتہ دیدم نیم روز
گفتم این نقشہ است خوابش برود بہ

شیخ کے دل میں بنی نوع کی خیر خواہی کا جوش اس قدر بہا ہوا تھا کہ وہ سیاست سلطنت کو بھی بالائے طاق رکھ کر صاف صاف بادشاہوں اور امیروں کو کبریٰ کبریٰ سنا دیتا تھا۔ اور چونکہ اُسکی نیت میں نیکی ہوئی تھی اُسکی تلخ گفتگو بہ بادشاہ اور حاکم متفقہ اور ارادتمند بننے لگتی تھی +

آتابک ابو بکر میں سخت عیب تھا کہ وہ علماء و فضلا سے بدگمان رہتا تھا اور جاہل درویشوں اور غاندہ بدوش فقیروں سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ اس لئے اہل علم اُس کے وقت میں اپنا کمال علمی ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اور اکثر جہلا کے لباس میں چھپے رہتے تھے۔ مگر شیخ نے کہ ایک مرد میدان تھا اگرچہ بمقتضائے مصلحت وقت دربار سے کنارہ کش رہا، پابندی وضع کو ماتحت سے نہ دیا اور آخر آتابک کو اُسکی غلط فہمی سے آگاہ کر ہی دیا۔ اور اگرچہ اس بادشاہ نے بہت سے علماء کو ذلیل و خوار کیا تھا۔ مگر شیخ سے ہمیشہ عزت کے ساتھ ہی پیش آتا تھا۔ اور سعد بن ابو بکر تو جس کے نام پر شیخ نے گلستان لکھی ہے۔ اسکا خاص متفقہ اور ارادتمند تھا +

شیخ مرحوم نے گلستان میں ایک لطیف حکایت لکھی ہے۔ جس میں اُس نے ریاکار فقیروں کے چالچلن پر نکتہ چینی کی ہے اور جاہل درویشوں کی تسلیٰ کا حقہ کھولی ہے۔ اس حکایت میں اس نے صاف آتابک ابو بکر پر بوٹ کی ہے اور وہ حکایت یہ ہے کہ کسی جنگل میں ایک درویش رہتا تھا جو درختوں کے پتے کھاتا اور دن رات عبادت کر دگار میں مشغول رہتا تھا ایک بادشاہ اُسکے زہد و تقویٰ کا شہرہ سُن کر اُسکی زیارت کو گیا اور عزت سے اُسکو شہر میں لے آیا۔ بادشاہ نے درویش کے رہنے کے لئے ایک فاصل محل جو لب باغ واقع تھا خالی کر لیا اور نہایت خلوص کے ساتھ اُسکو وہاں اتارا۔ جب درویش کو سجائے جنگل بھیل بھول اور گھاس پات سے طرح طرح کے عمدہ اور لطیف کھانے ملنے لگے۔ نفیس کپڑے پہنے کو اور خوبصورت لونڈیاں

خدمت کرنے کو ملیں۔ آگے شاہ صاحب خاک پر فرش محمدی کیا کرتے تھے اب محل و کجواب کے نرم نرم گدیوں پر استراحت فرمانے لگے تو شاہ صاحب نے خوب رنگ و روپ نکالا۔ ایک دن وزیر بادشاہ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس قدر مجھے علماء و فضلاء اور زما دے عقیدت اور محبت ہے۔ اُس قدر کسی اور گروہ سے نہیں۔ وزیر بات دہیر نے عرض کی کہ حضور شرط مروت یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ نیکی کیجاوے علماء کو روپیہ دینا چاہئے تاکہ اطمینان سے درس اور تصنیف میں مصروف رہیں اور زاہدوں کو سوائے قوت لایموت کے کچھ نہیں دیتا چاہئے تاکہ ان کے زہد و تقوٰے میں خلل نہ آئے۔ زاہدوں کو روپیہ دینا ان کے حق میں کانٹے بونا ہے۔ کیونکہ روپیہ ملنے سے وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں اور ان کی عبادت و اوقات میں فرق آ جاتا ہے +

گلستان کے اسی باب میں ایک اور چھٹی ہوئی حکایت ہے۔ جس میں اتابک ابوبکر پر خیمک ہے۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کو سخت ہم پیش آئی اور اس نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے مظهر و منصور کیا تو میں بہت سا روپیہ زاہدوں کی نذر کرونگا۔ جب اُسکی مراد پوری ہو گئی تو اپنے عہد کے موافق روپیوں کی تھیلیاں غلام کو دیں کہ زاہدوں کو جا کہ تقسیم کر آوے۔ غلام بہت دانا تھا۔ تمام دن اوہراؤ ہر بھر بھر اگر شام کو تھیلیاں ماتھ میں لئے جیسے گیا تھا ویسا ہی چلا آیا اور عرض کیا کہ قبلہ حاجات تمام دن گویا۔ مگر کوئی زاہد نہیں ملا۔ بادشاہ نے کہا۔ جہک مارتا ہے۔ اس شہر میں سینکڑوں زاہد بھرے پڑے ہیں۔ غلام زیرک تے عرض کی کہ حضور جو زاہد ہیں وہ تو لیتے ہی نہیں اور جو لیتے ہیں وہ زاہد ہی نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ ہنس کر خاموش ہو گیا +

غرض ایسی ایسی چوٹوں سے شیخ ہرگز نہ چوکتا تھا اور شیخ ہی تھا۔ جس کا

لیٹا آتا بک ابو بکر کرتا تھا۔ ورنہ اگر کوئی اور آدمی بات بھی موعظہ سے نکالتا تو وہ کھڑے کھڑے نکلوا دیتا۔ کہتے ہیں ایک دفعہ آتا بک ابو بکر نے شیخ سے کہا کہ آپ مسند قضا پر جلوہ افروز ہو کر قجے ممنون فرما دیں۔ شیخ نے کہا کہ میں اس مسند کے لائق نہیں۔ آتا بک نے وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا اگر میں نے سچ کہا ہے تو مجھے معاف رکھئے اور اگر میں نے دروغ کہا ہے تو دروغ کو قاضی نہیں بنانا چاہئے۔ آتا بک ہنس کر خاموش ہو گیا۔ دراصل یہ واقعہ امام ابو حنیفہ سے متعلق ہے۔

خواجہ شمس الدین جو مینی صاحب دیوان اور انکا چچو بھائی، خواجہ علاء الدین جو مینی کو (جو ہلاکو خاں کے پسر آبا قا خاں کے مستعد وزیر اور نائب سلطنت تھے) شیخ کے ساتھ خاص عقیدت اور ارادت تھی۔ ایک روز شیخ مرحوم حج سے واپس آتے ہوئے تبریز سے گزرے۔ راہ میں آبا قا خاں کی سواری آتی تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی اُس کے ساتھ تھے۔ ان کا شیخ کو دیکھنا تھا کہ فوراً گھوڑوں سے اتر کر شیخ کے پاس آئے اور نہایت مُدب ہو کر شیخ کے قدم لئے اور ماتحتوں کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کون ہے جسکی ہم سے بھی زیادہ تعظیم کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا حضور یہ ہمارا شیخ ہے سودھی اسکا نام ہے۔ اسی کا نام اور اسی کا کلام تمام عالم میں مشہور و معروف ہے چنانچہ آبا قا خاں نے بھی شیخ سے ملاقات کی اور شیخ کی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

شیخ کی عقیدت کے بارہ میں بعض لوگ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ ملتان میں کن عالم صاحب بنیرہ شاہ بہاء الحق صاحب نے شیخ سے بیعت کی تھی اور تصوف میں شیخ مرحوم ہی سے سبق لیا تھا۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے خان شہد نے جو ناظم ملتان تھا۔ شیخ کو بار بار لکھا کہ جناب شیراز سے ملتان پہنچیں اور اپنے قدم بہت ازوم سے میرے مکان کو آباد اور میرے دل کو شاد فرمائیں۔

ولیم ہوسلی ایل ایل ڈی نے جو شرگور اسلی سفیر انڈیا کا پراٹویٹ سگتر سٹا ایچ
 سفر نامہ ممالک مشرقیہ میں جو غالباً اُس نے ۱۸۷۷ء میں تحریر کیا لکھا ہے کہ :-
 شیراز میں جہاں نما کے قریب ایک مقام ہے جسکو چل تن کہتے ہیں اور اسکے
 قریب ایک اور مقام ہے جسکو ہفت تن کہتے ہیں کیونکہ اس میں سات درویشوں
 کی قبریں ہیں۔ اس مقام کے ساتھ ایک باغ ہے۔ جن میں ہیشمار سرو کے درخت
 ہیں۔ ہفت تن کے ایک بالائی کمرہ میں سعدی اور حافظ کی تصویریں نصب
 ہیں۔ یہ تصویریں اگرچہ خیالی معلوم ہوتی ہیں مگر ایسے ملک میں بنائی گئی ہیں
 جہاں یہ دونوں صاحب کمال پیدا بھی ہوئے اور فوت بھی ہوئے۔ پس
 ممکن ہے کہ اسکی کچھ نہ کچھ اصلی صورت کے ساتھ مشابہت ہو۔ شیخ کے مدفن
 پر اب تک سینکڑوں شیخ کے معتقد زائرین کر جاتے ہیں اور وہاں چہار شنبہ
 کے دن درویشوں کا میلانگارتا ہے۔ صاحب موصوفی لکھتے ہیں کہ جب میں
 وہاں گیا تو درویش کثرت سے اس مقام میں موجود تھے اور ایک عجیب طرح
 کی بدبودیاں سے آتی تھی۔ میں نے اس بدبو کا حال دریافت کیا تو میرے
 ہمراہی نے مجھے یقین دلایا کہ یہ بدبو ان درویشوں کے میلے کپڑوں سے آرہی
 ہے جو کثرت سے یہاں جمع ہیں۔ یعنی شیخ کی عقیدت کا اب بھی یہ عالم ہے۔
 کہ اب تک اُس کے مدفن پر میلانگارتا ہے وہ رستہ جو شیخ کے مقبرہ کو جاتا
 ہے شیخ ہی کے نام پر پل سعدی کہلاتا ہے۔ مگر ولیم یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ
 کے مقبرہ کا جو بیرونی دروازہ ہے۔ وہ اسقدر نیچا ہے کہ میانہ قد کا آدمی
 بھی جھکے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دروازہ دانستہ اسقدر
 نیچا رکھا گیا ہے تاکہ زائرین ادب سے جھک کر اندر داخل ہوں اور
 کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر اندر نہ آ سکے۔ جس کے باعث بے ادبی
 ہو۔ لوگوں کے دل میں شیخ کی اسقدر عظمت اور بزرگی ہے کہ مقبرہ کے
 ساتھ ایک چھوٹا سا تالاب ہے۔ جس کو ابتداء میں قلات گاؤں ان کہتے تھے

مگر اب اسکو سعدی کہتے ہیں۔ اس تالاب میں طرح طرح کی مچھلیاں بکثرت ہیں۔ جن کے نھنوں میں بعض معتقدان شیخ نے سونے کی مچھلیاں ڈالی ہوئی ہیں۔ کیا مجال کسی کی جو وہاں سے مچھلی پکڑے یا ان مچھلیوں کو کسی قسم کی ایذا دے۔ یعنی شیخ کی تقدس مآبی کا یہاں تک شہرہ ہے کہ لوگوں کو ہر حال میں اسکا ادب ملحوظ خاطر رہتا ہے +

جان پلٹس صاحب نے لکھا ہے کہ بعض معتقدان شیخ اسکو ولی سمجھتے تھے اور ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب شیخ نے شہر کے باہر عالی شان عمارت یا خانقاہ بنوائی تو دن رات وہیں رہنے لگا۔ اس خانقاہ میں بڑے بڑے شہزادے۔ امراء اور سردار شیخ سے ملنے آ جاتے تھے اور اُس کے لئے کھانا بھیجا کرتے تھے۔ شیخ کا دستور تھا کہ روٹی کے تین حصے کیا کرتا تھا۔ ایک حصہ آپ کھا لیا کرتا تھا۔ دوسرا حصہ فقیروں اور محتاجوں کو دیدیا کرتا تھا۔ اور ایک حصہ ایک چھینک یا خلتہ میں جو دروازہ پر لٹکا رہتا تھا۔ رکھ دیا کرتا تھا۔ تاکہ غریب لکڑہارے جب دن بھر لکڑیاں کاٹ کاٹ کر تھک جائیں تو وہ روٹی کھاویں اور تازہ دم ہو جائیں۔ ایک دن ایک چور لکڑہاروں کا بھیس کر کے وہاں آیا جب اُس نے پھیلے کے اندر ہاتھ ڈالا تو وہاں کسی چیز نے زور سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا چور نے ہر چند ہاتھ جھڑپا یا مگر کوئی پیش نہ گئی۔ ناچار ہو کر دو ہاتھ دی کہ شیخ صاحب آئے اور مجھے چھڑائے۔ شیخ مرحوم نے باہر آکر پوچھا تو کون ہے چور نے کہا۔ بندہ غریب لکڑہارے۔ اگر تو لکڑہارے تو تیرے ہاتھوں میں کھڑا ٹری کے نشان کیوں نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو چور سینہ زور ہے۔ اب لگاؤ زور۔ دیکھوں آپ کی سینہ زوری۔ چور نے منٹ خوشامد کی اور آئندہ توبہ کی۔ چنانچہ شیخ کے اشارہ پر پھیلے نے چھوڑ دیا + ہم کہتے ہیں کہ شاید شیخ نے پھیلے میں کوئی حکمت رکھی ہوگی۔ جس سے اُس نے لکڑہاروں کو آگاہ کر رکھا ہوگا۔ چور کو وہ حکمت معلوم نہ تھی اس لئے اُس کا ہاتھ

چنسن گیا ہو گا *
 مائسٹر ڈیفیری لکھتے ہیں کہ شیخ کے معتقدین نے اُسکی تقدس مآبی کی نسبت
 اسقدر مبالغہ کئے ہیں کہ اُسکو کسی ناول کا ہیرو دیکھنا چاہئے *
 فاضل ٹیلو لیٹری ڈی سالیسی صاحب لکھتے ہیں کہ: شیخ ہمیشہ ایسے شخصوں
 سے سخت نفرت کرتا تھا جو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں۔ وہ اس قسم کے ریا
 کار زہدوں کو سخت بُرا جانتا تھا۔ جو زہدوں کا لباس پہنکر لوہو و لعب
 میں مشغول ہو جاتے ہیں *

شیخ کی نبردگاری لوگوں کے دلوں میں اب تک اس قدر ہے کہ گلستاں اور
 بوستاں کو نستعلیق اور خوشخط سنہری روپڑی حروفوں میں لکھوا کر اور
 بیش بہا جلدوں میں بند ہو کر اپنے کتب خانوں اور الماریوں میں رکھتے
 ہیں * لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری میں جہاں ایک بے انتہا ذخیرہ
 کتابوں کا اس وقت موجود ہے داخل ہونے پر سب سے پہلے شیخ کا شعر ایک
 چوب قلم سے لکھا ہوا نظر پڑتا ہے اور وہ شعر یہ ہے

بے علم چوں شمع باید گد اخست
 کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

صدیاں گزر گئیں۔ زمانے نے لاکھوں رنگ بدلے۔ وقت نے پلٹے کھائے
 صفحہ ہستی کے ورق الٹ گئے۔ اور قانون قدرت کے دو ورق آسمان زمین
 بھی ویسے کے ویسے نہ رہے۔ مگر گلستان کے ورق الٹ کر دیکھو۔ تو یہی معلوم
 ہوتا ہے کہ جس طرح یہ اس وقت اپنی حکایتوں اور معنی خیز حکمتوں کے باعث
 مقبول خاص عام اور واجب العمل تھی۔ ویسے ہی آج بھی دستور العملِ نبی کے قابل ہیں
 شیخ کی تصنیف نے قبولیت عام سے بقائے دوام کا ایک ایسا مریض تاج شیخ
 کے خرق مبارک پر دہرا ہے جو نہ صرف اصفہانی اور شیراز کے ناموں کے
 ساتھ ساتھ دنیا کے اہم تمام نگ جائیگا اور اُسکی لسانی اور جادو بیانی

نے شہرت عالمگیر کا ایک ایسا نو لکھا بار اٹھ کے گلے میں پہنایا ہے جو قیامت
مک سبحان اور ستیرو کے نام کی طرح سلامت رہیگا +

چھٹا باب

شیخ کی تصنیف پر

شیخ علیہ الرحمۃ کا کلام بقول پروفیسر اتھی سبت پہلے شیخ علی بن احمد نے شیخ کی
وفات سے بیالیس برس کے بعد مرتب کیا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ شیخ کی مکمل
کلیات نہیں ہے۔ یعنی علاوہ اس کلام کے جو علی بن احمد نے جمع کیا۔ شیخ کا
اثر بہت سا کلام تھا جو کسی کو جمع کرنے کا خیال نہ آیا۔ اور وہ یوں ہی ضایع ہوا
موجودہ مشہور کلام کی تفصیل یہ ہے:-

- | | |
|---|--------------------------------------|
| { | (۱) طیبیات یعنی غزلیات کا پہلا دیوان |
| | (۲) بدائع یعنی غزلیات کا دوسرا دیوان |
| | (۳) خوائیم یعنی تیسرا دیوان |
| | (۴) مجموعہ غزلیات |

- | | |
|---|-----------------|
| { | (۵) قصائد فارسی |
| | (۶) قصائد عربی |

(۷) مرثیہ +

(۸) مسمعات +

(۹) شلکات +

(۱۰) ترجمینات +

(۱۱) مشنویات - صاحبیہ

- (۱۲) قطعات
 (۱۳) رباعیات صاجیہ
 (۱۴) مفردات
 (۱۵) مطایبات و نہرلیات +
 (۱۶) پند نامہ یعنی کرمیا +
 (۱۷) بوستان +
 (۱۸) گلستان +
 (۱۹) رباعیات +

ان سالوں میں سلوک اور تقویٰ کے مضامین اور مشائخ اور عارفوں کی حکایتیں اور بادشاہوں اور اعیان سلطنت کی نصیحتیں درج ہیں +

علاوہ ان کے قریب سو کے شیخ کی تصنیفات آؤں ہیں۔ جو ہندوستان میں مشہور نہیں۔ مثلاً بقول مٹھرمبرگ سعدی کی سب سے بڑی کتاب سلطنت عباسیہ کی چھ سو برس کی تاریخ ہے۔ جو ۱۸۱۷ء میں پہلے لاطینی میں ڈیوڈ ہولے نے ترجمہ کی اور کنگٹ ایسڈن نے ۱۸۷۷ء میں پیرس میں ترجمہ کی۔ دوسری کتاب کا نام خبر آفریقہ ہے۔ اسکی بھی چار جلدیں ہیں وغیرہ وغیرہ +

علی بن احمد جامع کلیات شیخ کی اسے غزلیات شیخ کی نسبت یہ ہے کہ جب اسکی غزلیات مجاس سماع میں گائی جاتی ہیں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ خاص عام بے ہوش اور از خود فراموش ہو جاتے ہیں +

مولانا عبد الرحمن جامی کی شیخ کی غزلیات کی نسبت مفصل ذیل لکھتا ہے
 در شعر کس پیرا نند ہر چند کہ لابی بعدی
 ابیات و قصیدہ و غزل ا فردوسی - انوری و سعدی
 امیر خسرو دہلی نے یہ رائے ظاہر کی ہے

خسرو سمرست اندر ساغر معنی برینخت شیرہ از مینا نہ مستے کہ در شیر از بود

خواجہ مجد الدین ہنگر کی یہ رائے ہے
 مگر یہ بہ نطق طوطے خوش نفیس
 بدشکر گفتمے ہائے سعدی مکیم
 در شیوہ شاعری بہ اسماع اتم
 ہرگز من و سعدی بہ امامی نہ سیم

اس رباعی کے متعلق ایک روایت بھی ہے جس کا ذکر اس موقع پر ہماری رائے
 میں خالی از لطف ہو گا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن خواجہ شمس الدین صاحب دیوان اہمیر
 معین الدین پر دانہ حاکم روم۔ ملک افتخار الدین کرمانی اور ملا ذوالدین صدیقی
 باہم صلاح کر کے خواجہ مجد الدین ہنگر کے پاس آئے جو شیخ علیہ الرحمۃ کا جلیل القدر
 معاصر تھا اور شیخ علیہ الرحمۃ کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی۔ چنانچہ جواب میں
 تہجد ہنگر نے یہی رباعی پڑھ دی جو ہم ادب و بیچ کر آئے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ رباعی
 شیخ تک بھی جا پہنچی۔ شیخ کی سیف زبانی مشہور رہی۔ اُس نے جواب میں ایک
 رباعی کہی جو فوراً چاروں طرف مشہور ہو گئی اور وہ رباعی یہ ہے۔

ہر کس کہ ببارگاہ سامی نہ رسد
 از بخت سیاه و بد کلامی نہ رسد
 ہنگر کہ بمر خود نکردہ است مناز
 شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نہ رسد

حاجی لطف علی خاں آذر کی یہ رائے ہے کہ شیخ یغیہ غزل ہے اور فردوسی انوری
 اور نظامی کے سوا کسی کی مجال نہیں کہ جو شیخ کی برابر ہی کا دعوے کرے۔ چنانچہ
 حاجی موصوف کو تہجد ہنگر کا امامی کو شیخ پر ترجیح دینا بھی ناگوار گذرا ہے اور اس نے
 یہ قطعہ کہہ کر دل کا بخار نکالا ہے۔

یکے گفت امامی امام ہری را
 ز سعدی نژادوں یافتہ مجد ہنگر

دریں ماحر اچست رائے تو گفت
شکر بود و نحمدت ہمگراست

جان پلیٹ نے جو انپیکٹر مدراس ممالک متوسط تھا حیات سعدی میں جو گلہ ریز
کے ترجمہ کے شروع ہی میں ہے۔ لکھا ہے کہ سعدی غزل کا مسلم الثبوت استاد
تھا۔ اُس سے پہلے کسی نے ایسے اشعار نہیں کہے۔ جنکو واقعی غزل کہا جاوے
شیخ کا دیو ان "نمکدان شرا" اور شیخ کا خطاب ممالک مشرق میں "بلبل نزار
داستان" ہے +

اسمیں شک نہیں کہ شیخ نے اپنی جادو بیانی سے غزل میں ایک نئی لذت
پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ ظہیر۔ خاقانی اور انوری وغیرہ کی غزلیات موجود تھیں۔
مگر شیخ نے اس میدان میں ایسے عجیب و غریب کُل کھلائے کہ سب اسی روش
پر ٹوٹ پڑے +

میری رائے میں شیخ کی غزلیات میں مفصلہ ذیل خصوصیتیں ہیں :-
(۱) شیخ کی غزلیات میں کلام کی سادگی سے فکر کو بجائے کامہش کے لذت حاصل
ہوتی ہے اس واسطے اسکی غزلیات خاص لوگوں میں پسندیدہ اور عوام میں
ہر دلعزیز ہیں +

(۲) غزلیات میں زبان ایسی شستہ اور صاف استعمال کی گئی ہے کہ گویا سامنے بیٹھے
باتیں کر رہے ہیں اور دل کے خیالات کو جو سب کی طبیعتوں کے مطابق ہیں محاورہ
کا رنگ لیکر باتوں باتوں میں اسطرح ادا کیا ہے کہ وہ باتیں مضمون بنگٹیں +

(۳) شیخ نے غزلیات میں بھریں ایسی اختیار کی ہیں جو تغزل اور تفسن کے لئے
نہایت موزوں اور مناسب ہیں۔ یعنی شیخ کی غزلیات ہر سچ میں کہیں شربت
اور کہیں شیر شکر میں اور بعض اوقات آب حیات بھاتی ہیں۔ اس لئے جو لفظ
حسنہ سے نکلتا ہے۔ تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے +

(۴) غزلیات کے مضامین زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم شاعر کے لئے خیالی

نہ تھے۔ حالی تھے۔ جہاں کہیں دُکھڑا رویا ہے وہاں ایسے مضامین استعمال کئے ہیں جس کے دلوں میں اثر اور سینوں میں درد پیدا ہوتا ہے۔ جن کے لفظ لفظ سے ناکامی اور نرنار نالے اور جن کے حرف حرف سے حسرت اور مایوسی ٹپکتی ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا دل غم و درد کا پتلا یا حسرت و اندوہ کا گویا تھکا اور جو سُننے والوں کے لئے نشتر کا کام کر جاتے ہیں۔ جہاں کہیں عیش و نشاط کے مضامین کو لیا ہے۔ وہاں لفظ لفظ سے خوش طبعی اور حرف حرف سے سفاکی برکتی ہے اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے شراب ناب کے سُور میں گل افشانی کی ہے *

(۵) شیخ نے غزلیات میں فصاحت و سادگی پر ایک شوخی اور بانگین کا انداز ایسا بڑیا کہ جس سے پسند عام نے شہرت و دام کا فرمان دیا ہے۔ جس سے عوام الناس میں ہوم جھگٹی اور خواص مان گئے کہ یہ طرز انہیں کی ایجاد ہے *

(۶) مضامین کی رنگینی محاوروں کی نکلتی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کو زبان پر قدرت کامل تھی یعنی شیخ کی غزلیات تازگی مضمون۔ صفائی کلام چستی ترکیب خوبی محاورہ اور عام فہمی کی صفات سے متصف ہیں *

(۷) شیخ کی غزلیات ہر پہلو سے مرغوب طبائع خاص و عام ہیں۔ درویش خلعت اور فقیر مزاج لوگوں کے لئے وہ ایک تصوف اور عرفان کا دریا ہیں اور غیر متشرع رند مشرب اور آرزو لوگوں کے لئے یہ ایک ہوش رُبا میخانہ ہیں *

(۸) شیخ نے تشبیہ اور تشیل سے غزلیات میں ایسی شکاری اور مینا نگاری کی ہے کہ اس سے لفظوں میں شوکت اور کلام میں بلاغت پیدا ہو گئی ہے *

شیخ نے بھی عاشقانہ اشعار کی بنیاد امروں اور سادہ روخوں کے عشق پر رکھی ہے اسی بنا پر بعض شخص شیخ پر امر درستی کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں جان پلٹیں نے سعدی کی اس نوک جھونک کا ذکر کیا ہے۔ جو تبریز کے حمام میں ہمام الدین تبریزی کے ساتھ ہوئی وہ قصہ اس طرح سے ہے *

کہ جب شیخ علیہ الرحمۃ تبریزی میں گیا تو اُس نے ہمام تبریزی کا بہت شہرہ سنا کسی نے شیخ سے یہ بھی کہہ دیا کہ اُسکا ایک اڑکھا یوسف ثانی ہے۔ مگر ہمام اسکو پردہ میں رکھتا ہے اور غیب را اور حسبی اشخاص سے اُسکو ملنے نہیں دیتا۔ شیخ کو اُس کے حسن و جمال کا شہرہ سُنکر غائبانہ اشتیاق پیدا ہوا۔ غرض اسی مطلب کے لئے شیخ پہلے سے جا کر ایک حمام میں چھپ رہا۔ جس میں اُس دن ہمام مع اپنے پسر کے غسل کو جانیوالا تھا۔ خواجہ ہمام اور اُسکے لڑکے کے داخل حمام ہوتے ہی شیخ صاحب بھی گلیم درویشی ادا کر کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ خواجہ ہمام کو شیخ کی حالت بجا سخت ناگوار گزری۔ اپنے لڑکے کو اپنے پیچھے چھپا لیا اور لڑکے کے آگے آب کھرا ہو گیا۔ پھر شیخ کو بھڑک کر بولا۔ تو کہاں سے آیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا خاک پاک شیراز سے۔ ہمام نے جواب دیا کہ اس ملک میں شیرازی تو کتے کے برابر ہے شیخ نے کہا کہ ٹھیک ہے مگر شیراز میں تبریزی گتوں سے بدتر سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ عرصہ تک شیخ میں اور خواجہ میں نوک جھونک ہوتی رہی۔ آخر خواجہ جواب ہو گیا اور مشغول ہو کر کہنے لگا۔ اچھا بتلائے کہ شیراز میں خواجہ ہمام الدین کے اشعار بھی مشہور ہیں یا نہیں۔ سعدی نے کہا بیشک مشہور ہیں اور ایک مقطع پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمام میرے درمیان اور میرے معشوق کے درمیان ایک پردہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ بیچ میں سے یہ پردہ ہٹ جائیگا۔

خواجہ ہمام نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سعدی ہیں۔ شیخ نے کہا۔ بیشک! اسپر خواجہ نے معذرت کی اور کہا کہ معاف رکھئے میں نے پہلے نہیں پہچانا تھا اس کے بعد اُس نے شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے لڑکے کو شیخ کی دست بوسی کا اشارہ کیا اور کئی دن تک جمان رکھ کر بڑی دھوم سے عزت کی +

شیخ کی غزلیات کو پڑھ کر اسپر امر دہرستی کا الزام لگانا میری رائے ناقص میں انصاف کا کلا گند چھری سے ریتنا ہے۔ صرف شیخ ہی نے تغزل کی بنیاد امر دوں اور سادہ رنوں کے عشق پر نہیں رکھی ہے۔ بلکہ کل ایران میں

بھی سنت شعر ہے اور آجکل کی اردو شاعری بھی اسی کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ عرب کی شاعری میں شاعروں نے معشوق کو عورت باندھا اور تہندی شاعری میں عورت کا عشق مرد کی طرف جتایا جاتا ہے۔ مگر ایران والوں نے ایک نئی روش اختیار کر لی ہے۔ یعنی مرد کو مرد کا عاشق فرض کر لیا ہے۔ عرب کی اور ہندی شاعری بیشک نیچر کے مطابق ہے اور ایران کی شاعری بادی النظر میں خلاف فطرت انسانی مذہب اور قبیح معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ فارسی زبان میں عربی اور ہندی زبان کی طرح تذکیر و مائیت کی تمیز نہیں ہے اُنہیں ضمائر۔ افعال اور صفات مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں لائے جاتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایرانیوں نے بھی ہندی شاعری کی طرح اپنے آپ کو عورت اور معشوق کو مرد قرار دیا ہو۔ قطع نظر اس کے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایران والوں نے۔ عاشقانہ اشعار کی بنیاد مردوں اور سادہ رنحوں کے عشق ہی پر رکھی۔ پھر بھی کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو فارسی اشعار کے وہ ضرور مرد پرست ہو۔ یہ صرف ایرانیوں نے برائے نام مضابطہ ٹھہرا لیا ہے ورنہ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ اکثر شاعر جو پارسی اور پرمہینہ گار ہیں اور جنہوں نے نہ کبھی شراب کا مزہ چکھا ہے نہ اسکی بوتل سونگھی ہے۔ سینکڑوں ورق شراب اور کباب کے مضامین میں سیاہ کر دیتے ہیں اور ہزاروں پاکباز اور عفت مآب دم بہر کے لئے صرف شاعری کی خاطر مرد پرست اور شاہد باز بن جاتے ہیں *

مزید برآں کسی پر عاشق ہونا یا کسی کو اپنا معشوق گرداننا یہ معنی نہیں رکھتا کہ ضرور معشوق سے لذات نفسانی اور بہائم کا پورا کرنا مقصود ہو اگر عشق باری کا مدعا صرف یہ ہی ہے تو وہ عشق باری صرف بواہو سی ہے۔ میری رائے میں عشق مجازی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے۔ عاشق کو معشوق کی صفات کا عشق ہوتا ہے نہ کہ اسکی ذات کا۔ مثلاً جو عاشق حسنِ جمال ہے وہ حسیہ حسن

و جمال پر عاشق ہوگا۔ خواہ وہ عورت میں اسے نظر آئے خواہ مرد میں۔ بلکہ زیادہ تر وہ مرد پر عاشق ہوگا۔ کیونکہ اس میں گنہ گاری کا کم خدشہ ہے۔ اور عورت کے عشق میں جو قدرت نے مرد کے لئے وضع کی ہے خلاف شرع حرکت سے ملتی ہوئی کا زیادہ تر احتمال ہے۔

اس میں کچھ کلام نہیں کہ عشق و محبت اس کی سرشت میں تھی اور اکثر مردوں اور سادہ رخنوں کی طرف اس کا میلان خاطر تھا جیسا کہ نطف علی نے آنشکدہ میں تمام تبریزی کی حکایت میں لکھا ہے مگر وہ مردوں کا عاشق نہ تھا۔ وہ صرف ان کی خوش وضعی کا شید تھا۔ اور وہ بھی اس درجہ تک جہان تک صوفی اور سالک کو ترغیب باطنی کے لئے ضرورت ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ ناپاک عشفبازی۔ ریاکاری مکر و سلاوس اور ہوا و ہوس سے کوسوں بہاگتا تھا۔ اُس نے خود ایک موقع پر کہا ہے

گر نظر صدق را نام گنہ می نہند
حاصل یا بیچ نیست جز گنہ اند و فتن

غزلیات

تو چہ دانی کہ چہ سودا و سہرت ایشانرا	ایکہ آگاہ نہ عالم درویشاں را۔
کہ بشمشیر میسر نشود سلطان را	گنج آزاد گئے و گنج قناعت ملکیت
عاقل آنست کہ اندیشہ کند پایاں را	طلب منصب فانی نکند صاحب عقل
دیں چہ دادر کہ بحسرت نگزارد آں را	جمع کرد و نہاد و بدو بحسرت رفتند
نشد مرد اگر شہ سر برد و پیاں را	دراز لبود کہ پیاں محبت بستند
گفتم اے یار مکن بر سر فکرت جاں را	عاشق سوختہ بے سرو ساماں دیدم
گفت بگزار من بے سرو بے سامان را	نفسے سرد بر آرد و وضعیف از سرزد
منکہ پرورد در حریفم چہ کنم در مان را	پند و بلند تو در گوش من آمد ہبیات

سعدیا عمر عزیز است بغفلت گذار *
وقت فرصت نشود قوت مگر نادان ا

خوشتر از دوران عشق ایام نیست بامداد عاشقان را شام نیست
مطربان نیستند و صوفی در سماع عشق را آغاز هست انجام نیست
از هزاران دریکی گیر و سماع زانکه هر کس محرم پیغام نیست
هر کس را نام معشوقی که هست بے برد معشوق ما را نام نیست
باد صبح و خاک شیراز آتش است هر که او در دے گرفت آرام نیست

سعدیا چوں بُت شکستی خود با بش

خود پرستی کمتر از احصا نام نیست

دو چشم مست میگویش بردارم هشیاراں
دو خواب آلوده بر بودند عقل از دست بیداراں
نیت حلوئے را از من بگوئے خواه چه در کش
که سیل از سرگذشت آنرا که میترسانی از یاراں
چه بویست آنکه عقل از من برد و صبر بشیاری
ندانم باغ فرووس است یا بازار عطاراں
تو با این مردم کوته نظر در چاه کنعانی

مبهر آتاید آینه یوسف را خسریداراں
لا ابالی چه کند و قدر دانائی را طاقت و عظم نباشد سر سودائی را
دیدہ را فائده آنست که دلبر بند در نہ بیند چه بود فائده بنیائی را
همه دانند که من سبزه خط دارم دوست نه چو دیگر میواں سبزه محرابی را
سعدیا بویته امشب دہل صبح نکوفت
یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را

دے که عاشق و صابر بود و بگر سنگست ز عشق تابہ بصوری هزار فرسنگست

برادران طریقت نصیحت نہ کنسید
کہ توبہ در رہ عشق آبگینہ و سنگیت
وگر بہ خفیہ بنی باندہم شراب و سماع
کہ نام نیک بہ نزدیک عاشقان نگیت
چہ تربیت شنوم یا چہ مصلحت بینم
مرا کہ چشم بساقتی دگوش بر چنگیت
بخشم رفتہ مارا کہ مے بر دہنیام
بیا کہ با سپر انداختیم گر ہنگ ست
بیادگار کسے دامن نسیم صبار
گرفتہ ایم و چہ حاصل کہ بادور چنگیت
بکش چنانکہ تو دانی کہ بے مشاہدات
فرا خائے جہاں بر وجود ماتنگیت

ملاست از دل شدی فرو نشوید عشق

سیاہی از جشی چوں دود کہ خود زنگیت

شیخ کے قصائد جہاں تک میرا خیال ہے پھیکے ہیں۔ ان میں مطالب کی وقت مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ اور بندش کی چستی جواز قصائد ہے معدوم ہے۔ شیخ کی قصیدہ گوئی کا ڈھنگ ہی نہ اے شیخ نے قصیدہ کو دنیا داروں کو خاطر خواہ وعظ۔ تبنیہ اور پند سودمند کرنے کا جیلہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ شیخ کے جتنے قصیدہ ہیں ان میں برائے نام مع و ستائش ہے اور دراصل پند و نصائح سے بھرے ہوئے ہیں۔

بعض قدر شناسان سخن کا قول ہے کہ غزل اور قصیدہ کے دو میدان نہیں زمین اور آسمان اور یایوں کہودن اور رات کا فرق ہے اور قصیدہ طبیعت کی سنگفنگی اور جوش و خروش کا ظہور ہوتا ہے۔ اسلئے شیخ کو جسکی طبیعت قدرت سے سادگی پسند تھی قصیدہ لکھنا نہ آتا تھا۔ پیشتر اسلئے کہ ہم بیان کریں کہ یہ ریمارک کہاں تک درست ہے۔ ہم ذرا وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کیوں اور کس سبب سے شیخ کے قصائد پھیکے ہیں۔

(۱) شیخ کے قصائد میں الفاظ کی شان و شکوہ اور تکلف معدوم ہے۔ یعنی شیخ کے کلام میں اس قدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ جو قصائد کے لئے مذموم ہے۔

(۲) قصائد میں مبالغہ اور خوشامد سے از حد کام لیا جاتا ہے۔ مگر شیخ کے قصائد میں یہ بات مطلق نہیں ہے۔ شیخ نے آزادی اور حق گوئی کو زیادہ لیا ہے +
 (۳) قصائد میں شاعر علم و فضل کے اظہار کے لئے مسائل فلسفہ و دقائق تصوف مقدمات حکمت۔ اصطلاحات منطق داخل کر لیتے ہیں۔ اور شیخ نے ایسے دکھاوے سے پرہیز کیا ہے +

(۴) صنائع لفظی خصوصاً تجنیس و تریجیع اور تشبیہ و استعارات کا استعمال قصائد کا زیور سمجھا جاتا ہے۔ مگر شیخ نے ان سب کو چھوڑ کر سادہ بیانی کو لیا ہے +
 (۵) عموماً قصائد حصول تقرب سلطانی۔ ترقی درجات اور اجتماع مال منال اور مزید برآں شیخ شہرت کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر شیخ نے ان کو پسند و موعظت کا وسیلہ قرار دیا ہے +

اصول قصیدہ سے مناسبت کے باعث مفصلہ ذیل ہیں :-
 (۱) حق گوئی جو اسکی طبیعت میں ودیعت کی گئی تھی۔ تکلفات یا یعنی سے مانع تھی +

(۲) شیخ بیجا خوشامد اور مبالغہ کو نہایت ناپسند کرتا تھا +
 ظہیر فاریابی نے قزل ارسلان کی مدح میں ایک جگہ کہا ہے :-
 نہ کر سٹے فلک ہند اندیشہ زیر پاے
 تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان نہ ند
 شیخ نے اماکت ابو بکر سعد کی تعریف ظہیر فاریابی کے شعر کی اس طرح تعریف کی ہے :-

براہ تکلف مرو سعیدیا	اگر صدق داری بیار د بیا
تو منزل شناسی شہ راہ و	تو حقگوے و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کر سٹے آسماں	نہی زیر پاے قزل ارسلان
مگوپاے عزت برا فلاک نہ	بگور سٹے اخلاص جاک نہ

(۳) شیخ ہمیشہ دکھتا ہے کہ نا پسند کرتا تھا۔ فخر اور نقل کو کسر شان سمجھتا تھا اور خود پسندی اور خود بینی اُس کے نزدیک ننگ و عار تھی +

(۴) شیخ کی تمام عمر بند و معطت میں صرف ہو گئی اور نصیحت کے لئے عام فہم اور اور سلیس عبارت۔ درکار ہوا کرتی ہے +

(۵) شیخ کی استقامت اور سنجیدگی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ وہ در پوزہ گری کرے اُسکو تو کل اور قناعت بندہ کی خوشامد کی اجازت نہ دیتی تھی چنانچہ ایک قطعہ میں اُس نے خود کہا ہے کہ ”لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ سعدی تو کیوں مصیبتیں جھیلتا ہے اور تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ تو اوروں کی طرح اپنے کمال شاعری سے کیوں تمتع نہیں ہوتا؟ اگر تو مدح گوئی اختیار کرے تو نہال ہو جاوے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ٹکڑا گداؤں اور فقیروں کی طرح اسیروں کے دروازہ کٹکھٹاتا پھروں۔ اگر ایک جو بہر منہ کے عوض میں تجھے کوئی سوخرا نہ بخندے تو وہ مستحقِ شکر ہے اور میں قابلِ نفرین“ +

شیخ مرحوم نے جو قصائد لکے ہیں وہ محض محبت اور خلوص سے لکے ہیں خوشامد کی راہ سے یا صلہ انعام کے بہرہ و سہ پر نہیں لکے۔ شیخ کے نزدیک اغراضِ قصیدہ منصلہ ذیل تھے:-

(۱) مدوح کی تعریف ایسے الفاظ میں کیجاوے جسکو دیکھ کر اُس کے مخالفین اوس پر ہجو و طعنے سمجھ کر خندہ زن ہوں +

(۲) مدوح کی تعریف بلا مبالغہ ایسے الفاظ میں کیجاوے۔ جسے خاص و عام کے دل میں اُسکی محبت جانشین اور اُسکی نسبت حسن ظن پیدا ہووے +

(۳) مدوح ایسے الفاظ سے مخاطب کیجاوے۔ جن سے وہ نیکی۔ انصاف اور ترقی کی طرف راغب ہو +

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ نے قصیدہ کے میدان میں ایک نئی طرک تیار کر دی۔ اُس نے اُس اہ کو نہیں لیا۔ جس پر اساتذہ سلف چلے تھے

پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں قصیدہ گوئی کی لیاقت نہ تھی۔ وہ ہر قسم کی
تحریر پر قادر تھے۔ مگر وہ قصیدہ کے قدیمی اصول کو پسند نہ کرتا تھا +
الغرض اگر شیخ کے قصائد اس اصول کی رو سے دیکھے جاویں جو قدیمی اساتذہ
نے قائم کیا ہے تو پھیکے اور قصیدہ کے زینہ سے گرے ہوئے ہیں لیکن حق
گوئی اور آزادی کے لحاظ سے اپنی آپ نظر ہیں +

شیخ کے قصائد اکثر ایسے ہیں جو کسی درج میں نہیں ہیں۔ ان میں صرف فصاحت
و مواعظ سندرج ہیں۔ چنانچہ مفضلہ ذیل بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:-

اے دل بکام خویش جہاں رہا تو دیدہ گیر
دروے ہزار سال چو فوج آرمیدہ گیر
بستان و باغ ساختہ کیمبر و بے
ایوان و قصر سر بفلک بر کشیدہ گیر
باد و ستان مشفق و یاران مہربان
نبشتہ و شراب مروق چشیدہ گیر
ہر نعتی کہ ہست بعالم تو خوردہ داں
ہر لذتے کہ ہست سرا سر چشیدہ گیر
چوں بادشاہ عدل تو بر تخت سلطنت
صد جامہ حریر بدولت دریدہ گیر
ہر گنج دہر خزانہ کہ شاماں نہادہ اند
آں گنج و آں خزانہ بچنگ دریدہ گیر
آں بندہ را بسیم و زر خود خندیدہ گیر
ہر ماہر و کہ ہست در ایام روزگار
آں اہل بیت در بر خود آوریدہ گیر
آواز عود و ربط و نائے و سرو و دو چنگ

آں طنطنہ کے سنی ہوئی ہم شیندہ گیر
 در آرزوئے آب حیاتے تو بر زمان
 مانند خضر گردہاں در ویدہ گیر
 تو همچو عنکبوتی و حال جہاں مگس
 چوں عنکبوت گرد مگس بر قنیدہ گیر
 گیرم ترا کہ مال زتاروں فروں شود
 عمرت کبر فوج پیمبر رسیدہ گیر
 چندیں ہزار اطلس و کمجواب روزگار
 پوشیدہ در بنعم و انکہ دریدہ گیر
 روز پس کہ سپح نما ند بجز درین
 صد بار پشت دست بدندان گزیدہ گیر
 سعدی تو نیز ازین قفس تنگنائے دہر
 روزے قفس شکستہ و مرغش پریدہ گیر

ان کے سوا قصائد ہیں وہ خواجہ شمس الدین جو مینی - محمد الدین رومی - خواجہ
 علماء الدین انکیانو وغیرہ کی مدح میں ہیں۔ مگر انہیں مدح کی چاشنی برائے نام
 ہے دو چار شعر مدح کے کہہ کر وہی ہنزد و موعظت کو شروع کر دیا۔ مثلاً وہ قصیدہ
 ملاحظہ کیجئے جو انکیانو کی مدح میں ہے۔ جبکہ مطلع ہے ۵
 بس بگردید و بگرد روزگار
 دل بدینا در نہ بند و ہوشیار
 اسی قصیدہ میں شیخ لکھتا ہے ۵

”نام نیک ز رنگاں ضایع مکن“
 ”تا بماند نام نیکت بر قرار۔“
 ”ملک باناں را نشا ئد روز شوب“

”گاہے اندر زحمر و گاہے در حمار“
 ”گار میکشان در ویشاں برار“
 ”تا جہ کارت بر آرد کردگار“
 ”باغریباں نطف بے اندازہ کن“
 ”تا بر نذت نام نیکی در دیار“

شیخ کا جو عربی کلام ہے اُس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کسی ایرانی کا کہا ہوا ہے بلکہ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص عربی شاعر ممبر پکڑا ہوا غطا کر رہا ہے شیخ کی عمر کا ایک بڑا حصہ دیار عرب میں بسر ہوا تھا۔ اسلئے عربی زبان اُسکو غزلہ مادی زبان کے ہو گئی تھی قطع نظر اُس سے اُس نے اپنی عمر دینیات۔ تصوف اور علم ادب کے مطالعہ میں صرف کی تھی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مشاق اور ماہر ادیب زبان دان ہو گیا تھا اور اُسکو عربی زبان پر اسقدر ”گمانڈ“ تھا کہ فارسی لکھتے لکھتے معاً ایک بجز مصرع اور شعر عربی کا ایسا بے تکلف کہہ جاتا تھا کہ اُس سے عبارت میں جان پڑ جاتی تھی اور شاعر کی رتبہ دو بالا ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو بھی اپنی تحریر پر ناز تھا چنانچہ بعد اد کے مرثیہ میں وہ معمولی کسر نفی کے بعد لکھتا ہے کہ میرے کلام میں وہ جادو ہے جو باطل میں تھا۔

وبالشعر ایواللہ کست بکلاع

ولو کان عندی ہامابل منسج

بڑے بڑے ”کڑک“ اور سخن شناس کہتے ہیں کہ شیخ کا نعتیہ قطعہ

بلاغ العلیٰ بکمالہ کشف الذجی بجمالہ

حسننت جمیع خصبا سلو علیہ والہ

اس رتبہ اور اس شان کا ہے کہ اس سے بہتر کوئی نہیں کہہ سکتا +

شیخ کے مرثیہ نہایت دردناک اور رقت انگیز ہیں شیخ یتیمی اور بے پدری کے سوز و گداز کا لذت چشیدہ تھا۔ اُس نے بے کسی اور بے بسی کی چاشنی

چکنی تھی اس نے سلطنتوں کے پئے درپئے انقلاب اور ملکوں کے متواتر تغیرات دیکھے تھے اس نے مظلوموں کے بین اور بیوہ عورتوں کے شور و شبن سنے تھے اسلئے اُسکے مرثیوں سے جنہیں اُس نے درحقیقت دل کھول کے سوگاری کی ہے اور خاطر خواہ دکھڑا دیا ہے۔ سنیے اور پڑھنے والوں کے سینہ دل پر عیس لگتی ہے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں :

شیخ کے ایک مرثیہ پر لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے یعنی شیخ نے جنگیز خاں کے لڑکے ہلاکو خاں کی خونریزی اور مستعصم باللہ کی تباہی اور سلطنت عباسیہ کے زوال کا حال مستعصم باللہ کے ایک نہایت دردناک مرثیہ میں لکھا ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مستعصم باللہ ایک نالائق۔ ظالم۔ جفاو۔ ستمگر اور ناشدنی خلیفہ تھا جس کا دماغ۔ تکبر اور غرور سے مختل ہو گیا تھا۔ اُس کے زمانہ میں اہل سنت کی حمایت اور طرفدار عیس گرج کے نبی مائشم پر وہ ظلم ہوا جو انگلینڈ میں خونخوار میٹری ملکہ انگلستان کے عہد میں اور بار تھیلیو کے دن فرانس میں فرقہ برائشٹ کے عیسائیوں پر ہوا تھا۔ اُس مرثیہ کے چند اشعار ہم بطور نمونہ درج کرتے ہیں :

آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
اسے محمد گر قیامت مے برار می سرز خاک
سر بر آورد این قیامت در میان خلق میں
نازنینان حرم را خون سلق نازنین
ز استان بگذشت و مارا خون دل از آیتیں
زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار
در خیال کس نہ گشتی کا نینساں گرد و چنیں
دیدہ بردار آنکہ دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر بر خاک خاں بر زمین

خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ شد ریختہ
ہم براں خاک کے کہ سلطانِ نہادندے جہیں
بعد ازاں آسائش از دنیا نباید خواست
قبر در انگشتی ماند چو خبر یزدنگیں
دجلہ خونابست زیں پس گر ہند مرنشیب
خاکِ نخلستان بطیار اکند باخونِ عجبیں
نوحہ لایق نیست بر خاکِ شہیدانِ انکہ میت
کمترینِ دولت مرایشانِ ابشت بر تریں
لیکن از روئے مسلمانِی در راہِ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد و فراقِ نازنین
باش تا فسر داکمینی وز داورِ ستیغز
کز لحد باروئے خونِ آلودہ بر خیزد زین

x x x x x x x x

x x x x x x x x

روزگار ت با سعادت باد و سعدی مدح گو
را منت منصور و بخت یار و اقبالِ قرین

اگر فرض بھی کر لیں کہ مستعصم باللہ اول درجہ کا نالایق اور دشمنی تھا مگر یہ ضرور کہنا
پڑتا ہے کہ اُسکے بگڑنے سے نہ صرف بنی عباس کی سلطنت کا چراغ اقبالِ کل
جھو گیا بلکہ اہل عرب کا اقتدار منہو ہستی سے مٹ گیا اور وہ درخت جس کا بیج خلیفہ
راشدین نے اپنے مہر مند ہاتھوں سے بویا تھا چشمِ زدن میں بیخ و بن سے اکڑ گیا
پس شیخ نے مستعصم باللہ کا مرثیہ نہیں کہا۔ بلکہ خود اسلام کا مرثیہ کہا تھا اسلئے
یہ اعتراض تعصب اور کم نظری کے باعث سے ہے اور اس سے شیخ پر کوئی
الزام عائد نہیں ہوتا +

شیخ نے اپنا باقی کلام مشرق جس میں رباعیات - قطعات - متفرقات اور
مثنویات وغیرہ ہیں - یکجا جمع کیا تھا - اور اس کا نام صاحبید رکھا - شیخ نے اس
مجموعہ کو خواجہ شمس الدین صاحب دیوان کے نام پر جبکو شیخ سے نہایت عقیدت
اور ارادت تھی نامزد کیا ہے اور اس نام کی یہی وجہ تسمیہ ہے - اب ہم نمونہ کے
طور پر چند قطعات اور رباعیات درج کرتے ہیں +

قطعات

نظر کردم بہ چشمِ راے و تدبیر - ندیدم بہ ز خاموشیِ خصلے
نگویم لب بہ بند و دیدہ بردوز - ولیکن ہر مقامے را مقالے
زمانے بحث علم و در میں تنزیل - کہ باشد نفسِ انسان اکمالے
زمانے شعر و شطح و حکایات - کہ خاطر را بود دفع ملالے

خدایست آنکہ ذاتِ بے مثالش

نگرد و ہرگز از حالے بجالے

رحم اللہ شعر الماضین - کہ بہ مردی قدم سپردندے
راحتِ نفسِ بندگانِ خدا - راحتِ جانِ خود سطر دندے

آں عزیزاں چو زندہ مے نشوند

کاش این ناقصاں بمردندے

رباعیات

ماہیے اُمیتِ عمر از شت برفت - بیفادہ روزم چو شب مست برفت
عمرے کہ از دے بجائے ارزد - افسوس کہ رائگانم از دست برفت

آہو برہ - کہ شیر در پے باشد - بیچارہ چہ اعتماد بروے باشد
این بلخ در آب چند بتو اند بود - دیں برفت در آفتاب تاکے باشد

امشب نہ بیاض روزِ برے آید نے ناگہ مرغانِ سحر سے آید
بیدار نشسته ام نظرِ بر سرِ کوہ تا صبح کے از سنگِ بدر سے آید

شبہا ز ہمہ خلق نہاں میگیرم چشم از غمِ دل بر آسماں میگیرم
ظفل از غمِ مرغِ رفته چوں گریہ کند بر عمر گزشتہ ہچنان میگیرم

فرد

پائے ملخے نزدِ سیماںِ برون عیب است ولیکن حضرت از مور

سلطاں چو بنزل گدایاں آید گر بر سرِ پوریا نشیند شاید

نہالے کہ سی سال گردِ درخت ز بخشش بر آرد یکے بادِ سخت

تواضع گرچہ محمود دست و فضل بیکراں آد نشاید کرد بیش از حد کہیت از یاران آد

گر بلندت کہے دہد و شنام بہ کہ ساکن دہی جواب سلام

کو تہ نظراں ابود جرمِ خویش صاحب نظراں را غم بیگانہ و خویش

شیخ کی کلیات میں ایک مجموعہ ہر لیاات بھی ہے جسکی نسبت لوگوں نے عجیب
عجیب خیالات ظاہر کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ شیخ کے عارض کمالِ پراک
بدنامست ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ کی شیخوخت اور تقدس سے بعید تھا کہ ایسا
پکڑ بولتا +

جانِ پلش صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ کی ہر لیاات اس قدر فحش پلج اور لچر ہیں

کر ان سے بیخ سخت قابل الزام پڑتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کچھ شک نہیں کہ ان ہرلیات میں جیجائی کا منہ کھلا ہے اور شرم کی آنکھیں بند ہیں۔ مگر شیخ کا اس میں ذرہ بھر بھی قصور نہیں تھا۔ اس مجموعہ کے شروع میں لکھا ہے:-

الزمنی بعض انباء الملوک ان اصنف لہ کتاباً فی الھزل علی الطریق السوزی انلما اجبہ فوعد فی بالقتل فلا ھل ذالک عجیب امر

انشدت ہذا الابیات وانا استغفر اللہ العظیم :- یعنی ایک بادشاہ زادہ نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں ایک کتاب ہرلیات کے طریق پر لکھوں میں نے انکار کیا۔ اسپر اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی اور مجھے لاچار ماننا پڑا اور ناچار یہ اشعار لکھے اور میں خدائے بزرگ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں پشیل مشہور ہے مرتا کیا نہ کرتا۔ اگر شیخ نے جان بچانے کے لئے یہ یہودہ زٹل قافئے مانگ دئے تو یہ کیا گناہ کیا۔ جان کا بچانا ہر فرد بشر پر لازم ہے۔ علاوہ اس کے ان ہرلیات میں شیخ کی جادو بیانی اور لطافت خیالات کو سوں معدوم ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر شیخ کا کلام ہے تو شیخ نے یہ ہرلیات کڑا اور نفرت کے ساتھ عالم مجبوری میں لکھی ہیں۔ باوجود اس وجہ موجود کے اگر کوئی شیخ کی تقدس مآبی پر ان ہرلیات کے بہانہ نکتہ چینی کرے تو وہ منصب خود سے معذور ہے +

ہم کہتے ہیں کہ اگر شیخ نے یہ مجموعہ عالم مجبوری میں نہ بھی لکھا تھا تو بھی ہم اسپر الزام نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ بشر تھا۔ فرشتہ نہ تھا۔ اور بشر کسی حالت میں بشریت سے خالی نہیں ہے۔ بے عیب صرف ذات خدا کی ہے۔ جہاں پھول ہے وہاں خار ہے۔ جہاں روشنی ہے۔ وہاں اندھیرا بھی ہے۔ اس طرح جہاں شیخ کی دیگر تصانیف بے بہا ہیں وہاں ان ہرلیات اور مضحکات کو عین لکھنا تصور کر لینا چاہئے +

علامہ حمید الدین سیالکوٹی جالپور میں عالمگیر کے بیٹے بہادر شاہ کا پرائیویٹ

سکر ٹری تھا۔ اپنی ایک ضخیم کتاب مجلس ایران میں لکھا ہے۔ ہرلیات سعدی کو دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ ایسا مہذب فاضل کبھی ایسے فحش اور ہزل کو پسند نہیں کر سکتا x x مگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ شرارت نور جہاں کی ہے۔ اُس نے چند شیرازیوں کو پوشیدہ بلا کہ یہ ہرلیات کہلو امیں اُوڑ سعدی کی تصنیفات کے ساتھ شریک کر دیا۔ جسکی شہرت اور عظمت تمام قندوز و ایران میں پھیل رہی ہے۔ جو لوگ کہ اس مشورہ میں نور جہاں کے ساتھ شریک تھے اُن میں سے مجھے صرف دو کا نام معلوم ہوا ہے۔ ایک کو علی نقی اور دوسرے کو علی حیدر کہتے تھے۔ ان دونوں شرارت پیشہ انفا سنے ہرلیات بڑی کوشش سے ایک بڑی جماعت کے مشورہ سے تصنیف کیں اور ہزاروں روپے نقل نویسوں کو دے کر نقل کرا میں اور مختلف ملکوں میں تقسیم کرادیں یہ مجھے تحقیق ہوا ہے کہ پہلے سعدی کی ہرلیات کا نام و نشان و بھی نہ تھا۔ نور جہاں کے وقت سے یہ صورت پیش آئی ہے۔ یعنی نور جہاں نے جو کئی شیعہ تھی یہ تجویز اس لئے نکالی کہ سعدی پر جو سنت جماعت تھا، تبرج کینے کا موقع لوگوں کو دکھائے جائے۔

سید انشانے جو ایک مشہور شاعر اردو زبان کا ہوا۔ ہرلیات کی نسبت یوں رائے زنی کی ہے ”جہاں تک میں نے تحقیق کیا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہرلیات شیخ سعدی کی ہیں۔ اسلئے کہ علاوہ مورخوں کی بے تعداد شہادتوں کے علماً ایک نظر ہرلیات کی نظم و نثر اور عربی عبارت پر بھی ڈالنی چاہئے جبکہ کلام ہے۔ سب بے ربط اور خلاف محاورہ پاترس ہے اگر اسکو با محاورہ بھی کہیں تو یہ زبان نہایت کرخت اور اس میں بہت سے محاورہ ایسے ہیں کہ وہ اس زمانہ میں رائج نہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے میر منشی نعمت خان عالی نے یہ حکمت کی ہے کہ مذہبی دشمنی کی وجہ سے اُس نے بدنام کرنے کے لئے سعدی کے دامن عزت پر یہ دھبہ لگایا ہے۔“

چند نامہ لکھنے کے بعد اگرچہ نفس مضمون کے خیال سے اعلیٰ درجہ کی کتاب

اخلاق میں ہے مگر اس میں وہ دلفریبی - نزاکت اور جادو نہیں ہے جو شیخ کے دوسرے کلام میں ہے۔ میرے خیال میں یا تو شیخ نے دیدہ و دانستہ اسکو کم سن بچوں اور نو عمر لڑکوں کے لئے ایسا بنایا ہے۔ یا مخبر طبیعت کی حالت میں کہا ہے۔ شاعر کا خیال کسی وقت اوج عیوق پر ہوتا ہے تو کیسویں وقت تحت الثریٰ میں، اور بعینہ اس شعر کا مصداق ہوتا ہے۔

گئے بر طارم اعلیٰ الشیم
گئے بر پشت پائے خود نہ شیم

شیخ کی نظم میں بوستان سب سے زیادہ مشہور ہے۔ میرے خیال میں شاعر نے سوا اڑکوئی کتاب بوستان سے زیادہ فارسی نظم میں مقبول نہیں ہوئی بوستان کی شہرت اور مقبولیت ایران - ترکستان - تاتار - افغانستان اور ہندوستان ہی تک محدود نہیں بلکہ یورپ میں بھی غربت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آٹے ایریس نے بوستان کا ترجمہ جرمن میں کیا۔ اس کے بعد ایچ آگراف نے بوستان کا ترجمہ جرمن میں ۱۸۵۷ء میں کیا یہ دو جلدوں میں تھا اور اس کا نام اس نے لٹل گارٹن لکھا۔ بوستان کا ترجمہ انگریزی زبان میں کپتان ایچ کلارک رائل انجینئر نے ۱۸۷۹ء میں نہایت عمدہ اور مفصل کیا ہے اور حال میں ہیج میکٹن نے بوستان کی چھ جلدیات کا ترجمہ انگریزی میں نظم کیا ہے اور اس کا نام فلورز فرام دی بوستان لکھا ہے۔ اگرچہ بوستان نے اعلیٰ درجہ کی مقبولیت حاصل کی ہے اور جہاں تک چار نظم کا دخل ہے۔ یہ کتاب عیوب سے مبرا ہے۔ پھر بھی اس برگزیدہ خلّاق نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ بوستان کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

تو نیز ابدی سینم در سخن نخلت جہاں آفریں کار کن
چو بیتے پسند آدّت از ہزار بحر دیکہ دست ز لعنت بدار
بوستان شیخ نے ۱۸۷۹ء میں تصنیف کی۔ جیسا کہ اس نے دیباچہ

میں لکھا ہے ۵

ز ششصد نروں بود پنجباہ و پنج

کہ چہ در شد این نام بردار گنج

(۱) بوستان کے ”شائل“ اور طرز تحریر میں مفصلہ ذیل خصوصیتیں ہیں :-

(۱) بوستان میں ہر حکایت سے کوئی نہ کوئی مورل یا اخلاقی نتیجہ یا نصیحت

نکلتی ہے مثلاً

حکایت

یکے پندے داد سر ز نذرانہ نکو دایرہ خردمند را

مکن جو رہنمائی گاہاں ہے پیر کہ یکے دوزخ افتد بزرگی ز سر

نیمتر سی اے کو دیک کم خود کہ روزے پلنگیت برہم ورد

بخوردی درم زور پیر خجہ بود دل زیر دستاں من رنجہ بود

بخوردم یکے پشت زور آوراں نکو دم دگر زور بر لائراں

(۲) بوستان میں شیخ نے سو پر نچرل (فوق العادت) باتوں کو تمثیل بنا کر

نصیحت کا ذریعہ نہیں بتایا۔ بلکہ ایسی ایسی تمثیلیں لی ہیں جو روزمرہ

مشاہدہ میں آتی ہیں مثلاً

حکایت

برہ دریکے پیشیم آمد جو اں تبگ در پیش گو سفندے دواں

بدو گفتم ایں رلیہا ناست و بند کہے آرد اندر پیٹ گو سپند

بیک طوق وز نچر از دبا ز کرد چپے راست پوئیدن آغاز کرد

برہ چمنیاں در پیش میدوید کہ جو خورده بود از کف مرد و خوید

چو باز آمد از پیش بازی بجایے مرادید و گفت اے خداوند راے

ذائیں رلیہاں سے برو با منش کہ احعان کنسد لیت در گردش

بلطفے کہ دیدست پیل دماں نیار دے حملہ بر پیل باں

بداں را نواز سن کن اے نیک مرد کہ سگپاس دار چو نان تو خورد
 برآں مرد گندست دندان یوز کہ مالذباں بر پیریش دوروز
 (۳) بوستان میں شیخ نے پند و موعدت میں کہیں کہیں نرافت اور خوش طبعی
 کے نمک کی چاشنی بھی دے کہ کلام کو چٹپٹا اور مرغوب طبع بنایا ہے۔ مثلاً
 حکایت

مرا حاجے شائے عاج داد کہ رحمت بر اخلاق حجاج باد
 شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود کہ از من بنوع دلش ماندہ بود
 بنید اختم شانہ کیں استخواں نئے باند م دیگر م سگ سخاں
 پسندار چوں سر کہ خود خورم کہ جو خرداوند حلوا برم
 قناعت کن اے نفس براند کہ سلطان درویش بینی یکے
 چرا پیش خسرو سجا جت بری چو کیسو نہادی طمع خسروی
 (۴) بوستان میں شیخ نے ریاکاروں اور زمانہ سازوں کی غیب بھی کفش
 کاری کی ہے۔ جو لوگ دکھاوے کے لئے عابد و زاہد بنجاتے ہیں۔ انہیں خوب
 ہی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اسکی نصیحتیں فقیہوں اور غلو
 کی طرح تلخ اور بد مزہ معلوم نہیں ہوتیں اور حد و شرع میں بھی محدود رہتی ہیں
 حکایت

شنیدم کہ مردے براہ حجاز بہر خطوہ کہ دے دور کعت نماز
 چناں گرم رود طسریق خدا کہ غار مغیلاں گندے زپائے
 بہ آخر زو سواس خاطر پریش پسند آمدش در نظر کار خویش
 بتلمیس ابلیس رچا ہ رفت کہ نتواں ازیں خوبر راہ رفت
 گرش رحمتے حق نہ دریافتے غوریش سہرا ز جادہ بر تافتے
 یکے مالتف از غیب آواز داد کہ اے نیکبخت مبارک نہاد
 پسندار اگر طاغی کر دہ کہ نزلے دریں حضرت آوردہ

بہ احسانے آسودہ گردن دے بہ از الف رکعت بہرگز نہ لے

(۵) جہاں کہیں تشبیہ یا استعارہ استعمال کرتا ہے۔ وہاں نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے زود فہم اشیاء کو انتخاب کرتا ہے تاکہ اُس سے عبارت مبہم نہ ہو جاوے۔ بلکہ مضمون کا زور دوبا لا ہو جاوے۔ مثلاً

رعیت چو بیخ است و سلطاں درخت

درخت اسے پسرباشد از بیخ سخت

(۶) مبالغہ کو حد اعتدال سے تجاوز نہیں ہونے دیا مثلاً

میانے دو کس دشمنی بود جنگ سلاز کبر بر یکدگر چوں پلنگ

ز دیدار ہم تابع شد زماں کہ بر ہر دو تنگ آمد سے آسماں

(۷) شیخ نے قانون قدرت کو تعلیم اخلاق کے لئے ذریعہ ٹھہرایا۔ تاکہ نصیحت جلد دل نشین اور کارگر ہو۔ مثلاً

پلیدی کند گر بر جائے پاک چو رتش نماد بر پوشد بہ خاک

تو آزادی از ناپسندیدہ تا نترسی کہ بروے فتد دیدہ تا

(۸) شیخ نے حسن تاویل اور لطف استدلال کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ نبھایا ہے۔ مثلاً

شیدی کہ در روزگار قدیم شد سے سنگ ر دست ابدال سیم

نہ پنداری اس قول مقول غیت چو قانع شدی سیم و سنگت یکیت

بادی النظر میں یہ بات فوق العادت معلوم ہوتی ہے کہ ابدال کے ہاتھ میں پتہ چاندی ہو جاتے ہیں۔ مگر شیخ نے اسکی نہایت خوبی کے ساتھ تاویل کی ہے

کہ جو لوگ قانع ہوتے ہیں ان کے نزدیک پتہ اور چاندی میں فرق نہیں ہوتا

(۹) شیخ نے واقعات کا بیان اس حسن لطافت کے ساتھ کیا ہے کہ جس سے

اُس واقعہ کی تصویر ہو ہو آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ مثلاً

چنانچہ سائے شد اندر و مشق کیاراں فرا خوش کردند عشق

چنان آسماں بر زمیں شد بخیل
کہ لب تر نکر دند زرع و بخیل
بخوشید سر چشمہ ماے قدیم
نماند آب جز آب چشم یتیم
بنودے بجز آہ بیوہ ز نے
اگر بر شدے دھوے از روز نے
چو درویش بے برگ یدم درخت
قوی باز و اس سست و ماندہ سخت
نہر کوہ سبزی نہ در باغ شخ
لخ بوستان خورد و مردم طخ

شیخ کی تمام تعریف میں سے گلستاں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ واقعی اسکو شیخ کی تمام کلام کا خلاصہ۔ ست اور عطر کہنا چاہئے۔ میرے خیال میں فارسی یا انگریزی زبان میں کوئی کتاب گلستاں سے بڑھ کر مقبول نہیں ہوئی ایشیا میں یہ کتاب اسقدر مطبوع خاص عام ہے کہ بچپن سے لیکر بڑے ماپے تک اس کے مطالعہ کا شوق رہتا ہے۔ گلستاں کی عظمت کا بہت عمدہ ثبوت یہ ہے کہ تقریباً پورے ایشیا کی ہر زبان میں اسکا ترجمہ ہوا ہے یا جو کچھ اس میں نہ تو عجیب غریب افسانہ ہیں۔ نہ گل و بلبل کے ترانہ ہیں۔ نہ غزلیات عاشقانہ ہیں۔ نہ قول ہوشانہ ہیں پھر بھی لوگ اسپر دل و جان سے فدا ہیں اسکے اشعار لوگوں کو ازبر ہیں اور اسکے پتھر کتے ہوئے فقرہ معاملات روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ جہان تک جھکو دریافت ہوا ہے۔ گلستان کے ترجمہ مفصلہ ذیل زبانوں میں ہوئے ہیں :-

- (۱) فہرست نے گلستان کا ترجمہ لٹن (لاطینی) زبان میں کیا جو لٹریچر میں چھپا
- (۲) مانیسٹرڈ و رائیر کانسٹنٹین فرانس میں اسکندریہ نے گلستان کو فرنج زبان میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ ۱۶۷۷ء میں پیرس میں چھپا
- (۳) مانیسٹر گارڈین نے ۱۸۹۹ء میں گلستان کو فرنج میں ترجمہ کیا
- (۴) سمالٹ صاحب نے ۱۸۹۹ء میں گلستان کو فرنج میں ترجمہ کیا
- (۵) اوئے ایرنس نے گلستان کو جرمن میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ بالقوہ سب سے

اول ۱۸۵۷ء میں سینر وگ میں شائع ہوا +

(۶) آج گراف نے ۱۸۵۶ء میں گلستان کو جرمن میں ترجمہ کیا +

(۷) ۱۸۵۷ء میں گلستان کا ترجمہ پنج زبان میں ہوا +

(۸) مٹر گلیڈون نے ۱۸۵۷ء میں اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا +

(۹) راس صاحب نے ایشیاٹک سوسائٹی لندن کی فرمائش سے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا +

(۱۰) ایٹوک صاحب نے ۱۸۵۷ء میں گلستان کا ترجمہ تہرٹ فورڈ سے شائع کیا اس ترجمہ میں یہ خوبی ہے کہ نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا ترجمہ نظم میں کیا گیا ہے +

(۱۱) ۱۸۵۷ء میں جان پلٹس اسپیکر مدرس قمالک متوسط نے گلستان کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور شروع میں حیات سعدی بھی لکھی ہے +

(۱۲) ہندوستان میں سب سے پہلے میر شیر علی افوس نے مارکوئی آف ویلری کے عہد میں گلستان کا اردو میں ترجمہ کیا +

(۱۳) ایک بنگالی نے اس کا ترجمہ بنگالی میں کیا ہے +

(۱۴) ایک پارسی فضیلین نے اس کا ترجمہ گجراتی میں کیا ہے +

(۱۵) پنڈت تھر چند نے گلستان کو فارسی سے بہاشا میں ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام تپو پ بن رکھا ہے +

(۱۶) علاوہ ان ترجموں کے گلستان کے کئی ادیشن مختلف یورپین صاحبان نے چھپوائے ہیں + ان سائیکلو پیڈیا برینییکا میں لکھا ہے کہ مٹر ہیرنگٹن نے ۱۸۵۱ء

میں کلیات سعدی چھپوائی تھی +

(۱۷) اکثر فضلاء و علماء نے شیخ کے اشعار کا ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ فضل اللہ

بن عبد السمیر شیرازی نے تاریخ و صاف میں لکھا ہے

نشت لہل انت مسک و غناہ

فانی من ایاک سکران معتمد

اجاب بانی کنت ضیاً مذلاً
لجالت للوصد الجنی جمہد
فانزنی خلقی کمال عجالی
والا انا التراب الذی کنت فید

پیشخ کے مفصلہ ذیل قطعہ کا لفظی ترجمہ ہے ۵

گلے خوشبوئے درحام روزے رسید از دست مجبوی بدستم
بدگو شتم کہ مشکى یا عسیری کاز بونے دلا ویز تو شتم
بغتاً من اگلے ناچیز بودم و لیکن مدتے باگل نشتم
جمال جنشیں در من اثر کرد و اگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم
(۱۸) جزل نامی ایک متع کے ادیب نے گلستان کا ترجمہ فصیح عربی میں کیا
اور وہی التزام کیا نہ کہ ترجمہ نہ میں اور نظم کا نظم میں کیا +

(۱۹) سلطان حمید کے بھائی رشاد پاشا نے گلستان کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا +
(۲۰) قطع نظر ان کے اور سینکڑوں ترجمے گلستان کے ہوئے ہیں مثلاً سناتا
ہے کہ حال میں روسی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے +

پشتر اسکے کہ ہم گلستان کی چند خوبیاں بیان کریں جس کے باعث یہ نہایت
مقبول ہوئی۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند مشاہیر کی آراء کا خلاصہ گلستان
کے بارہ میں یہاں پر ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے +

امیر حسن دہلوی فرماتے ہیں ۵

حسن گلے ز گلستان سعدی آوردہ است

کہ اہل دل ہمہ گلچیں زین گلستان اند

میر گوراد سلی صاحب لکھتے ہیں :- گلستان کا ترجمہ جو کہ مشہور فاضل ضیائی نے لاطینی

میں کیا تھا۔ اس نے مدلوں یورپ کے اہل علم و ادب کو شیخ کے خیالات پر
فریفتہ کیا ہے +

پلیٹس صاحب لکھتے ہیں کہ وہ کتاب جسکی بدولت سعدی شیرازی نے
تعاے دوام اور شہرت عام کا تاج سر پر رکھا گلستاں ہے +
سرولیم اوسلی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ شیخ کی شہرت ایک عالیشان
عمارت ہے جسکی بنیاد گلستاں ہے +

ترابرٹ بینک صاحب لکھتے ہیں کہ سعدی بلا کا لکھنے والا شخص ہے
چنانچہ اسکی تصنیف کے تتبع اور تعلیم کی سینکڑوں نے کوشش کی ہے
مگر ایک کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی +

قآنی نے پریشان کے دیباچہ میں گلستاں کی نسبت لکھا ہے ”شیخ
کی گلستاں ایک باغ ہے جس کے ہر پھول کی ایک ایک پتی کے ہزار ذرات
غلام ہیں اور اہل مغنی کی جان قیامت تک اُسکی حیات بخش خوشبو سوزندہ
ہماری راے میں معاش اور معاد دونوں کے تعلقات کیواسطے گلستاں ہے
بڑھ کر کوئی کتاب مفید نہیں۔ گلستاں بچوں کے لئے استاد و شفیق ہے جو ان
کے لئے ناصح مشفق اور بوڑھوں کے لئے یار مددگار ہے۔ گلستاں ہر زمانہ
میں ہر دلعزیز رہی اور اگر نظر انصاف سے دیکھا جاوے تو قرآن حمید اور بائبل
کے بعد جو شہرت گلستاں نے حاصل کی ہے وہ کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی +
اگرچہ گلستاں الف سے لیکر ہی تک خوبیوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن
ہم چند خاص خوبیاں بطور نمونہ اس جگہ درج کرتے ہیں +

اول :- گلستاں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ہزار ناچلے۔ اشعار اور مصرع
مضب مثل ہو گئے ہیں مثلاً

(۱) — حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را +

(۲) — عاقبت گرگ زادہ گرگ شود +

- (۳) — ہمارا نکلے خنی تراند محتاج تراند +
- (۴) — کوفتہ را نان تہی کوفتہ است +
- (۵) — کو خوشتن گم است کہ ار ہبری کند +
- (۶) — باطل است آنچه مدعی گوئد +
- (۷) — عطاے توبہ لقائے توبخشیدم +
- (۸) — مرا بخی تو امید نیست بدمرساں +
- (۹) — بدوزد طمع دیدہ ہوشمند +
- (۱۰) — ناز بر آں کن کہ خریدار تست +
- (۱۱) — نہ محقق بود نہ دانشمند +
- چار پائے برو کتابے چند +
- (۱۲) — مشک آنست کہ خود ہوید نہ کہ عطار بگوئد +
- (۱۳) — پر اگندہ روزی پر اگندہ دل +
- (۱۴) — قدر عافیت کہے داند کہ مصیبت گرفتار آید +
- (۱۵) — مور جہاں بہ کہ نباشد پرش +
- (۱۶) — گر بہ مسکیں اگر برداشتے +
- تخم کجشک ان جہاں برداشتے +
- (۱۷) — کس نیا موخت علم تیر از من +
- کہ مرا عاقبت نشا نہ نہ کرد +
- (۱۸) — دشمن چہ کند چہ ہر باں باشد دوست +
- (۱۹) — در باغ لالہ روند و در شورہ بوم خس +
- (۲۰) — چہ میاد نہ ہر بار شکارے بہر د +
- باشد کہ یکے روز پلنگش بدر د +
- (۲۱) — خطائے بزرگاں گرفتار خطاست +

- (۲۲) — کہ بسیار خوار است بسیار خوار +
 (۲۳) — بر رسولان بلاغ باشد و بس +
 (۲۴) — میراث پدر خواہی علم پدر آموز +
 (۲۵) — اندک اندک شود بہم بسیار +
 (۲۶) — جور استاد بہ از ہر پدر +
 (۲۷) — خاک شو پیش از اندک خاک شوی +
 (۲۸) — دشمن نتوان حقیر و ہیبارہ شمر د +
 (۲۹) — سر مانداری سرخویش گنبد +
 (۳۰) — اگر خاکی بنا شد آدمی نیست +

دوم :- گلستان کی عبارت اس شان و شوکت کی ہے کہ اُسکی فصاحت اور بلاغت کے سامنے بڑے بڑے نثاروں نے سر جھکا یا ہے اور بڑے بڑے منشیوں نے اُسکے نتیج سے عاجز رہنے کا اقرار کیا ہے مثلاً از بستر زمش بر خاکستر گرش نشاندند ایسا فقرہ لکھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے +

سوم :- گلستان کی بنیاد محض اخلاقی پند و موعظت پر رکھی گئی ہے اور مضمون ہمیشہ چھیکا سا ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر الذوق کو تلخ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اکثر مصنف اسپر ناول و ناٹک کی چاشنی بڑا کر یا فرضی قصوں کا نمک مرچ لگا کر خوشگوار بناتے ہیں شیخ نے گلستان میں صاف اور حکم کھلا طور پر نصیحت کی ہے اور پھر اس سادگی میں یہ لطف رکھا ہے کہ اُسکا کلام مطبوعہ طبع خاص عام ملو ہے چھارم :- گلستان کے اشعار فقرات اور ابیات کو اکثر منشیوں نے اپنی تصانیف میں بطور کوٹیشن استعمال کر کے اپنی کلام کو زینت دی ہے +

پنجم :- گلستان میں شیخ نے علو اور اغراق سے حتی المقدور اجتناب کیا ہے اور فوق العادت باتوں سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کیا ہے +
 ششم :- اگرچہ لطف سے زیادہ گلستان کے فقرہ مسجع و مقفے ہیں مگر مینوت

لطف آمد ہے۔ نیرنگے آدر نہیں۔ یعنی اُس نے طبیعت پر نہ در ڈال کر لغت پائی نہیں کی ہے بلکہ جودت طبع سے جو بات خود بخود ذہن میں آئی۔ وہی بلاخرہ لکھ ڈالی ہے +

ہنہم: شیخ نے گلستاں میں بال کی کھال کھینچی ہے اور تمام باتوں سے دقیق معنی اُخذ کئے ہیں اور دقیق باتوں کو ایسے پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ معمولی سمجھ کے آدمی بھی انہیں سمجھ سکتے ہیں +

ہشتم: گلستاں میں شیخ نے قانون قدرت کو تعلیم و تربیت کا ذریعہ ٹھہرایا ہے + پنجم: گلستاں میں شیخ نے یہ خوبی رکھی ہے کہ جب کسی خاص فرقہ کو اُس کے عیوب پر متنبہ کرنا چاہا ہے تو اپنے آپ کو مشارالہ بنا کر اپنی ہی سرگزشت کھنی شرح کر دی ہے۔ چنانچہ اس حکمت علی سے اُس کی کتاب ہر فرقہ اور ہر گروہ میں ہر دلعزیز ہو گئی ہے اور اُس میں جو نصیحتیں درج ہیں وہ کسی کو بھی کڑوی اور ناگوار نہیں معلوم ہوتیں +

قصہ مختصر فرقوں کی جربستگی۔ الفاظ کی سُستگی۔ استعارات کی لغافت اور تشبیہات کی لطافت۔ پند و موعظت کی خوبی۔ اور مضامین کی ندرت اور دغیربی حسن بیان اور لطف اداحن تاویل اور حکمت استدلال کی لیاقت کے لحاظ سے گلستاں ایک ایسا اہلہامتا ہوا سدا بہار باغ ہے۔ جس میں سینکڑوں نہیں دودھ اور شہد کی رواں ہیں۔ جس میں سینکڑوں فوارہ آبجیات کے چل رہے ہیں۔ جکے پتے پتے سینکڑوں بہشت نثار ہو رہے ہیں +

دنیا میں وقیم کے اشخاص ہیں۔ ایک توحی پسند ہیں اور دوسرے وہ جو سد اور رشک کے پھلے ہیں جو خوبیوں کو دیکھ کر جل کر خاک ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ اسی تلاش میں ہتے ہیں کہ کوئی بُرائی نظر آئے تاکہ اُسے الم نشرح کر کے دل ٹھنڈا کریں۔ چنانچہ اس قماش کے لوگوں نے چند اقراض بھی گلستاں پر لکھے ہیں۔ ہمارے اس میں یہ سب اقراض وہی اور بے سرو پا ہیں۔

ہم بطور نمونہ چند یہاں دیج کرتے ہیں:-
 (۱) شیخ نے گلستاں کی پہلی حکایت میں لکھا ہے ”دروغ مصلحت امینہ زار استی
 فتنہ انگیز“ اسپر اکثر نکتہ چین یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ کبھی مصلحت امینہ نہیں ہو سکتا
 ہم کہتے ہیں کہ مقررہوں نے شیخ کے مطلب کو نہیں سمجھا۔ شیخ نے آٹھویں باب
 میں ذاتی اغراض کے لئے جھوٹ بولنے کو بہت بُرا بتایا ہے۔ شیخ نے اس
 حکایت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اُس خاص موقع پر جھوٹ بولنا بیجا سے بہتر تھا
 اور وہ موقع ایسا تھا کہ جھوٹ بولنے سے جو اغراضی میں فرق نہ آتا تھا۔ اس اعتراض
 کی نسبت ہم مفصل بحث اسی کتاب میں پیشتر کر چکے ہیں +

(۲) شیخ کا ایک شعر ہے :-

شمشیر نیک آہن بد چوں کند کسے

ناکس بہ تربیت نشود اسے حکیم کس

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اس مضمون کو مسلمہ تصور کر لیں۔ تو تعلیم و تربیت کا
 مذہب اور تمام سیاستیں فضول اور بیکار ہوتی ہیں۔ یہ بات من و عن مرست
 ہے تعلیم اور تربیت سے جہلت صرف عارضی طور پر بدل جاتی ہے اور جو اصلیت ہے
 وہ کبھی نہیں اُٹھتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک یورپین شکاری نے ایک بہت
 چھوٹا بچہ چیتے کا جنگل میں پکڑا اور اُسے کتے کی طرح دودھ سے پرورش کیا۔
 اور گوشت کی بوتل نہ سنگھائی۔ آخر یہ بچہ جب بڑا ہو گیا تو اُس شکاری کے
 ساتھ ساتھ کتے کی طرح رہتا تھا اور تمام خصلتیں کتے کی اُس میں موجود تھیں
 لوگ یہ معاملہ دیکھ کر سخت حیران ہوتے تھے۔ ایک نے شکاری گھر میں بیٹھا ہوا ایک
 کتاب مطالعہ کر رہا تھا۔ اور یہ چیتا پاس بیٹھا ہوا کتے کی طرح اُس کا پانوں چاٹ
 رہا تھا۔ چیتے کی زبان خاردار ہوتی ہے۔ چاٹتے چاٹتے شکاری کے پانوں سے
 خون نکل آیا۔ چیتے کے منہ میں خون لگنا تھا کہ اُسکی جہلت اُس میں عود کر
 آئی۔ فوراً خراٹے لگا اور دُم اٹھا اٹھا کر زمین پر مارنے لگا۔ آنکھیں مشعل

کی طرح روشن ہو گئیں اور قریب تھا کہ شکاری پر حملہ آور ہو اور ایک دو
سیکنڈ میں اُسکو بہاڑ ڈالے۔ مگر فوجی قسمت سے وہاں ایک بہری ہوئی بند
رکھی تھی۔ جو شکاری نے معاً اٹھالی اور چیتے کے منہ میں داغدی اور جان
بچائی ورنہ کام تمام ہونے میں کوئی فرق نہ رہتا تھا۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ
ناکس یہ تربیت نشو و اے حکیم کس +

(۳) گلستاں میں شیخ نے لکھا ہے کہ

در استانه سیمیں پنج زر بند مند

گماں ہر کہ یہودی شریف خواہ بود

یعنی یہودی کیسا ہی دولت مند ہو جائے شریف نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ عرض
ہے کہ اس بات سے کمال تعصب ترشح ہوتا ہے + ہم کہتے ہیں کہ اس میں ذرہ
بھر بھی تعصب نہیں ہے۔ اُن دنوں یہودی سے ہر جگہ نفرت کیجاتی تھی خلیفہ
کئی بار وہ انگلستان سے جلا وطن کئے گئے + شکسپیر کا مشہور ڈراما شاہنشاہ
جوہر کا ظاہر کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں یہودی کیسی نفرت کی نگاہوں سے دیکھ
جاتے تھے۔ اگر شیخ نے بھی اُن کی نسبت یہ لکھ دیا۔ تو کیا بُرا کیا۔ اُس زمانہ
یہودی طرح طرح کے افعال شنیعہ کرتے تھے اور ہر جگہ حقارت کئے جاتے تھے
قطع نظر اس کے فاتح قوم مغتومہ قوم کو ہمیشہ حقیر ہی سمجھتی رہی ہے اہل لڑپ
کو دیکھو کہ آج کل باد صفا اس قدر شائستگی کے ہندوستانیوں کو گال لگاتے
کہہ کر پکارتے ہیں +

(۴) ایک یہ اعتراض ہے کہ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ شریفنگے را دیدم
کہ بر در سرائے غمکش... الخ۔ اور غمکش کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ ہم کہتے ہیں
کہ شاید غمکش سے مراد التمش ہوگی اور اگر نہ بھی ہو تو سعدی کوئی تاریخ نہیں
لکھ رہا تھا کہ اس قسم کی باتوں کا پابند ہوتا +

(۵) شیخ نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک مریض بادشاہ کے لئے بعض اطباء نے

ایسے آدمی کا پتا جو خاص منفات سے موصوف ہو۔ تجویز کیا تھا۔ مقرر ض اسپر
لال پہلے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ بات حال کی تحقیقات کے خلاف ہے، ہم کہتے
ہیں کہ اگر یہ اعتراض ہے تو ان طبیبوں پر ہے۔ جنہوں نے یہ تجویز کی۔ شیخ
تو صرف رادئے تجویز ہے۔ قطع نظر اُس کے اگر شیخ نے پند و موعظت کیلئے
ایک فرضی مثال درج کتاب کر دی تو کیا گناہ کیا۔ وہ علم حکمت و طبابت پر کتاب
نہیں لکھ رہا تھا کہ اُس سے کسی قسم کے ہرج کا احتمال ہو۔
(۱۷) شیخ نے گلستاں میں لکھا ہے ۵

راہ راست برو اگر چہ دور است

زن بیوہ مکن اگر چہ حور است

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب بیوہ سے شرعاً شادی جائز بلکہ مستحسن ہے
تو اُس سے منع کرنے کے کیا معنی؟ ہم کہتے ہیں کہ شیخ کی گلستاں کو ہی فقہ
کا فتاویٰ نہیں ہے شیخ نے یہ نہیں کہا کہ بیوہ سے شادی کرنا گناہ ہے یا
خدا تعالیٰ اور رسولؐ کے حکم کے خلاف اُس نے صرف اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے
اُسکی رائے یہ ہے کہ بیوہ سے شادی نہ کرو۔ چاہے وہ حور ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ
اوسے تجربہ سے دیکھ لیا تھا کہ ہمیشہ بیوائیں اچھی بیویاں نہیں بن سکتیں
اور شیخ کے اس قول نصیحت کی قدر دہی لوگ جانتے ہیں جو بیوہ سے نکاح
کر کے مزہ چکھ چکے ہیں +

(۱۸) گلستاں میں ایک شعر ہے ۵

نہرا شتر سوارم نہ چو شتر زیر بارم

نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

اس شعر پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ناموزوں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا
شخص جس نے ہزاروں شرکہ ڈالے۔ کبھی ممکن ہے کہ عروض سے ناواقف
ہو۔ یہ شعر بحرِ ملّیٰ بمعنویں فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ہے +

وقتہ مختصر جس قدر اعتراض ہیں سب فضول ہیں اور کم نظری کی وجہ سے ہیں

گر نہ بیند بروز شپترہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گفتا

آسماں پر خاک ڈالو تو اپنے ہی مُنہ پر پڑتی ہے۔ یوں تو قرآن شریف پر لوگوں نے اعتراض کئے ہیں۔ مگر اعتراضوں کی جو وقعت ہوتی ہے۔ وہ اہل خود پر خوب روشن ہے۔ کسی کے کئے ہوئے کام پر اعتراض کرنا بہت آسان ہے اور کام کر کے دکھانا بہت دشوار ہے +

ساتواں باب

پند سعدی

(۱) محبت بد سے ہر حال میں پرہیز چاہئے۔ بدوں کی محبت سے آدمی بد اور نیکوں کی محبت سے نیک سمجھا جاتا ہے۔

باید اں کم نشیں کہ محبت بد گر چہ پاکی ترا پلید کند
ایضاً

باید اں یا رگشت ہمسر لوط خاندان بنو تش گم شد
سگ صحاب کف روزے چند بے نیکاں گرفت و مردم شد

(۲) جو شخص بد اصل ہے اُس سے کبھی نیکی اور بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ با آدمی بز رنگ شود

ایضاً

ابرگر آب زندگی بار د ہرگز از شاخ بید بر بخوری
بافرو مایہ روزگار مبر کزنئے بوریا شکر بخوری

ایضاً

شمیر نیک آہن بدیوں کند کسے ناکسن تربیت نشود اے حکیم کس
باراں کہ در لطافت طبخس غلاف نیست در باغ لالہ روید در شورہ بوم خس

ایضاً

زمین شورہ سنبل بر نیار د در و تخم عمل ضیائع مگر د ا ا
نکوئی با بد اں کردن چنانست کہ بد کردن بجائے نیک مرد اں
(۳۳) فضو لخرچی بُری بلا ہے۔ کفایت شعاری سے انسان دو تمند ہو جاتا
ہے اور جو اپنا روپیہ ضیائع کرتا ہے۔ آخر کو دست تاسف ملتا ہے۔
بریں عقل دانش بیا ید گر لیت کہ آمد بود نوزدہ خرچ بمیت

ایضاً

ابلیس کو روز روشن شمع کا فوری نہد۔ زود بینی کش بشت دغن نباشد چراغ
(۳۴) جس شخص کا حساب پاک ہو اُسکو محاسبہ کا کچھ خوف نہیں ہوتا۔ انسان
کو چاہئے کہ خود پاک رہے۔

تو پاک باش برادر مدار از کس پاک
نہند جامہ تا پاک گا ذراں بر سنگ

(۳۵) انسان کو چاہئے کہ صراطِ استقیم پر چلے اور راستی کو کبھی ہاتھ سے نہ دے
راستی موجبِ خدائے خداست
کس نہ دیدم کہ گم شد از رہ راست

(۳۶) کسی حال میں امن و استقلال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔
منشیں ترش از گردش ایام کہ صبر گر چہ تلخست ولیکن بر شیریں دارد

ایضاً

صبوی بود کار صاحب دلاں صبوی بود پیشہ مقبلاں
(۳۷) مصیبت کے وقت کوئی کسی کا نہیں ہوتا اور آسودگی اور مرغِ الحالی کی قوت

اکثر دوست بچاتے ہیں۔ مگر دوست وہی ہوتا ہے کہ مصیبت کی وقت کام آویں۔

نہ بینی کہ پیش خداوند جاہ ستائش کنانِ ست بربر نہند
اگر روزگارش در آید زپایہ ہمہ عاشر پاپے بر سر نہند

ایضاً

دوست شمار آنکہ در نعمت زند لاف یاری و برادر خواندگی
دست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و در ماندگی

(۸) کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔

حذر کن ز دو دروہنہاے ریش کہ ریش دروہن عاقبت سر کند
بہم بر مکن تا توانی دلے کہ آہے جہانے بہم بر کند

ایضاً

چراغیکہ بیوہ زنے بر فروخت بسے دیدہ باشی کہ شہرے بسوخت

ایضاً

تا توانی درون کس مخراش کا ندیں راہ خار کا باشد
کار در ویش مستمند برار کہ ترانیز کار کا باشد
(۹) دوست کو اتنی قوت نہ دے کہ اگر دشمنی کرنے پر آئے تو تیرا کچھ بگاڑ نہ سکے۔

دوست را چنداں قوت نہ

کہ اگر چہ دشمنی کند تو اند

(۱۰) اپنی لیاقتِ علمیت اور فضیلت پر نازاں نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ

بخت و دولت تائید ایزدی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

بخت دولت بکار دانی نیست جز بتائید آسمانی نیست
کیمیا گر بعضہ مرد و برنج ابد اندر خواہ یافتہ گنج

اوقتِ دادست در جہاں بسا۔ بے تمیز از جہند عاقل و خوار

(۱۱) چغندر۔ غیبت گو۔ اور غلام کو منہ مت لگا۔

ہر کہ عیب دگر اس پیش تو آ در دو شمر د

بیگماں عیب تو پیش دگر اس خواہد بُرد

(۱۲) بُری عادتوں سے پرہیز کرنا چاہئے ۛ

خوے بد در بطیعتے کہ نشست

نزد و جبر بوقت مرگ از دست

(۱۳) قناعت سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی شے نہیں ۛ

اے قناعت تو نگر م گرداں کہ وراے تو بیج نعمت نیست

کنج صبر اختیار تھاںست ہر کہ صبر مہشت حکمت نیست

(۱۷) کمینوں کا احسان نہیں اٹھانا چاہئے ۛ

ہر چہ از دوناں بہمت خواستی در تن افزودی و از جاں کاستی

ایضاً

اگر حنظل خوری از دست خوشخو بہ از شیرینی از دست ترش و

(۱۵) روپیہ اگر جمع کیا ہے تو اُسکو کام میں لانا چاہئے۔ اگر وہ کسی کام

میں نہیں آتا تو اینٹ اور پتھر سے بدتر ہے ۛ

بُرائے نہاد ن چہ سنگ و چہ زراست

ایضاً

از زر و سیم راجتے برساں خویشتن ہم تمتعے برگیر

و نگد این خانہ گر تو خواہد ماند خستہ از سیم و خستہ از زر گیر

(۱۶) جب تک انسان خانہ نشین رہتا ہے۔ اُسکے تجربہ کو دوست نہیں جاتی ۛ

تا بہ دوکان خانہ در گردی ہر گز اے خام آدمی نشوی

بر و اندر جہاں تفرج کن پیش از اں و زکز جہان دی

(۱۷) خاموشی سے انسان بہت سی باز پرس سے محفوظ رہتا ہے۔ اور

یہ ایک نہایت عمدہ صفت ہے ۛ

نگفتہ ندارد دکسے باتو کار

ولیکن چو گفستی دلیلش بیار

(۱۸) ایک بات کا ذکر بار بار نہیں دہرانا چاہئے ۵

سخن گرچہ دل بسند و شیریں بود سزاوار تصدیق و تحسین بود

چو یکبار گفستی مگو باز پس کہ حلوا چو یکبار خوردند و بس

(۱۹) جب کوئی بات کرتا ہو تو اسکی بات کو کاٹنا نہیں چاہئے ۵

سخن را سرست اے خردمند بُن میا و سخن در میان سخن

خداوند تدبیر و فرہنگ ہوش نگوید سخن تانہ بینی خموش

(۲۰) انسان کو بچپن ہی سے بے قواعد کا عادی ہونا چاہئے ۵

ہر کہ در خوردیش ادب نکند در بزرگی فلاح ازو خواست

چو بتر را چنان کہ خواہی پیچ نشود خشک خبرہ آتش رست

(۲۱) نالایق سے لیاقت کا کام بمشکل سرزد ہوتا ہے۔ اس لئے اُن کو

اُن کی لیاقت اور تمیز کے بموجب کام پُیر کرنا چاہئے ۵

ندہد ہوشمند روشن راے بفر و مایہ کار راے خطیر

بوریا یا ف گرچہ با فندہ است بزندش بکار گاہ حیر

(۲۲) آسودگی حالت میں ایام سختی کے لئے ذخیرہ کرنا چاہئے ۵

اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ +

بے توشہ چہ تدبیر کنی وقت ہیچ +

(۲۳) بخشش اگر حد اعتدال سے گزر جاوے تو اُس سے ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے

پسندید است بخشایش ولیکن منہ بر ریش خلق آزار مردم

ندانست آنکہ رحمت کرد بر مار کہ این ظلم است بر فرزند آدم

(۲۴) دشمن کے شر سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ اور اُسکو کبھی حقیر

اور ناجیز نہیں سمجھنا چاہئے ۵

دانی کہ چہ گفت زال بارستم گرد دشمن نتواں حقیر و بیچارہ ستمرد

ایضاً

بروز معرکہ ایمن مشو ز خضم ضعیف کہ مغز شیر برادر چو دل ز جاں برداشت
(۲۶) اپنے سے زور آور کے ساتھ لڑنا ایسا ہے جیسا کہ شیر کے ساتھ بچہ کرنا
اور تلوار کی دھار پر مٹا مارنا ہے

جنگ زور آوری مکن بابت پیش سر بچہ در بغل ز دوست

ایضاً

ہر کہ با پولاد بازو بچہ کرد ساعدِ یحییٰ خود را رنجہ کرد
(۲۷) رحم کا ہر ایک مستحق نہیں ہے

ترجم بر پلنگ تیز دنداں

ستمگاری بود بر گو سفنداں

(۲۸) جاہل کے ساتھ نشست و برخاست نہیں رکھنی چاہئے

ز جاہل گر نیرندہ چوں تیر باش

میا بیختہ چوں شکر شیر باش

(۲۹) بہت کھانا بیماری کا گھر ہے۔ انسان کو چاہئے کہ بھوک رکھ کے کھائے

نہ چنداں بخور کردمانت بر آید

نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

(۳۰) علم کے بغیر خدا نہیں مل سکتا۔ جہاں تک ہو سکے علم حاصل کرو

پے علم چوں شمع باید گداخت

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

(۳۱) تحمل اور عفو کا شیوہ اُخت یا رکنا چاہئے

گر گزندت رسد تحمل کن کہ عفو از گناہ پاک شوی

اے برادر چو عاقبت خاک است خاک شو پیش ز انکہ خاک شوی

(۳۲) حقہ کا مضبوط کرنا سب سے بڑی جو اخروی ہے ۵

نہ مرد است آن بنزد یکے دمنده کہ با پیل و ماں پیکار جوید
بلے مرد آن کسل است از روح تحقیق کہ جوں خشم آندش باطل گوید
(۳۳) جہاں تک ہو سکے۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے۔ عدل سے نام قیامت
تک زندہ رہتا ہے ۵

بس نامور بزرگ زمین دفن کردہ اند کہ بہتیش بروے زمین یک نشان خاند
آں پیر لاشہ را کہ پیر دند زیر خاک خاکش چنماں بخورد و استخوان خاند
زندہ است نام فرخ نوشیروان عدل گرچہ بے گذشت کہ نوشیروان خاند
خیرے کن اے فلان غنیمت شمار کر زان پیشتر کہ بانگ بر آید فلان خاند
(۳۴) عبادت پروردگار ضرور بجالانی چاہئے۔ وہ ذات پاک جس نے ہمیں انسان
بنایا اگر اللہ تعالیٰ کا جامہ پہنایا ہے۔ بندگی کا مستحق ہے اور اس کے آگے
سر جھکانا اور اس کے احسانوں کا شکر یہ بجالانا ہمارا فرض۔ ہمارا مقصد
ہمارا امد علیہ ۵

دوش مرغے بےج مے نالید عقل و صبرم بہر دو طاقت و ہوش
یکے از دوستان مخلص را۔ مگر آداز من رسید بگوش
گفت باورنداشتم کہ ترا بانگ مرغے چنیں کند بدوش
گفتم این شہ ط آدمیت نیست مرغ بےج خوان من خاموش
(۳۵) بڑے آدمیوں کی طاقت و سید کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر ان سے متبع نہ
ہونے کی خواہش ہے تو پہلے وسیلہ پیدا کر لینا چاہئے ۵

در میر و وزیر و سلطان ا جو سیلت مگر و پیرا من
سگ درباں چو یافتند غریب ایں گریباں گرفت و آن من
(۳۶) منہر اور استہرا سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مزاج سے اکثر لڑائی ہوتی
ہے اور انسان کا رعب و عذاب نہیں رہتا ۵

تو بر سر قد ز خویش تن باس و دقار

بازی و ظرافت بندیاں بگزار

(۳۷) جو تجھ سے ڈرتا ہے تو بھی اُس سے خوف کرے

ازاں کر تو ترسہ ترسے حکیم و گر با چو صد برائی بجنگ

ازاں مار برپاے راعی زندہ کہ ترسہ سرش را بکو بدبئنگ

(۳۸) جب کوئی بُرائی نظر آوے تو اسکا ابتداء ہی میں انتظام اور تدارک

کرنا چاہئے اگر غفلت ہوگی تو پھر اُس کا اسناد نہیں ہو سیکے گا

درختیکہ اکڑوں گرفت است پائو بہ نیروے شیعے برآمد زبائے

وگر همچنایں روزگار سے اہلی بگردنش از بیخ بزرگسلی

سیر چشمہ شاید گرفتن بمبیل چو پرشد نشاند گذشتن بپیل

(۳۹) انسان کو چاہئے کہ مفرد رہو۔ متکبر سے لوگ نفرت کرتے ہیں

تکبر غزازیل را خوار کرد

بزندان لعنت گرفتار کرد

(۴۰) شیریں زبانی سنو تسخیر ہے

آسائش دو گیتی تفضیل اس دو حرفت

باد و ستاں تملطف باد شمنناں مدارا

(۴۱) حرص سے انسان ذلیل و خوار ہو جاتا ہے

ہر آنکس کہ در بند حرص افتاد و بدخرمن زندگانی بسباد

ایضاً

حرص است کہ جملہ مردان از آسایش بدر آرد و در ریخ مدام اندازد

(۴۲) تواضع سے دوست بھی دشمن ہو جاتا ہے

دلا کہ تواضع کنی اختیار شود خلق دنیا تماد و ستدار +

تواضع زیادت کسند جاہ را کہ از محصر پر تو بود ماہ را +

(۲۳) جھوٹ بولنا بہت بُرا ہے۔

کسے را کہ گرد زبان دروغ
چراغ دلش را نہ باشد فروغ

(۲۴) بخیل کی حالت ہمیشہ قابل نفرت ہوتی ہے۔

بخیل ار بود ز اہد بحسب دہر بہشتی نباشد بحکم خبر
سینیاں ز اموال بر میخورند بخیلایں غم سیم و زر میخورند

(۲۵) ضعیفوں پر جفا و جور نہیں کرنا چاہئے۔

مکن بر ضعیفان بیچارہ زور
بہندیش آخر ز تشنگے گور

(۲۶) دنیا بے ثبات ہے۔ اسکی کسی بات پر تکیہ نہ کرنا چاہئے۔

ازیں پس مکن تکیہ بر روزگار کہ ناگز جانت بر آرد و مار
ایضاً

مکن تکیہ بر ملک دنیا و پشت کہ بسیار کس چو نتو پر درد و گشت
ایضاً

منہ دل دریں دیر نا پادار ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار
(۲۷) جو شخص تمہیں ظاہر ابرو رنگ معلوم ہو اسکی عزت کر دو غیب کا حال
سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔

ہر کرا جامہ پار سا بینی پار سادان نیک مرد انگار
ورنہ دانی کہ در نہانش چیست محتسب را درون خانہ پیکار

(۲۸) ہر بات کے لئے محل اور موقع دیکھنا چاہئے۔

نہ در ہر سخن بحث کردن رواست
خطائے بزرگاں گر فتن خطاست

(۲۹) ایسی چیزیں دل نہیں لگانا چاہئے کہ پھر اس دل اٹھا دینا شروع ہو جائے۔

نبا بد بختن اندر چیز و کس دل
کہ دل برداشتن کار نیست مشکل
(۵۰) جس قدر انسان لائق ہوتا ہے اسی قدر اس میں عجز و انکسار کی
عادت ہوتی ہے ۵

فروتن بود و ہوشمند گزین
ہند شاخ پُر میوہ سر بر زمین
(۵۱) انسان کو چاہئے کہ ظاہری آرائش و زیبائیش سے پرہیز کرے یہ
باتیں عورتوں ہی کو زیب دیتی ہیں ۵

جامہ دیبا و صورتِ زیبا
ایں ہمہ زینتِ زناں باشد
(۵۲) جو شخص کھاوے کی عبادت کرے وہ ریاکار اور بدشمار ہے ۵
کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ در روئے مردم گزاری دراز

(۵۳) ایک آدمی کی حرکت ناشائستہ سے ساری قوم اور اس کی صحبت کے لوگ
بدنام ہو جاتے ہیں۔ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے ۵
جو از قوئے یکے بیدار نشی کرد نہ کہ را منزلت ماند ہمہ را
نخے بینی کہ گادے در علف زار بیا لاند ہمہ گادان دہ را
(۵۴) اگر جو اغزو ہے تو جتنے المقدور دشمنوں کا دل نہ دکھا ۵

شیندم کہ مردان را بخدا دل دشمنان ہسم نہ کہ دندنگ
ترا کے میسر شو و اس مقام کہ باد و شانت خلافت و جنگ
(۵۵) اگر تجھ کو کسی نقصان پہنچے تو رنجیدہ خاطر نہ ہو اور رضائے خدا پر راضی رہ ۵
گر گزندت رسد ز خلقِ مرغ کہ نہ راحت رسد ز خلقِ نہ بیخ
از خدا داں خلاف دشمن دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

(۵۶) زمانہ سازی کے لئے متابعت اور فرماں برداری بادشاہ کی ہر حال میں
مد نظر رہنی چاہئے ۵

اگر شہ روز ر اگر مد شب است این بیاید گفت اینک ماہ و پرویں
(۵۷) بزرگوں کا نام ہمیشہ ادب کے ساتھ لینا چاہئے ۵

بزرگش سخاوت اہل خرد

کو نام بزرگاں بزرگشتی برد

(۵۸) اپنے باپ دادا کا نام بدنام نہیں کرنا چاہئے ۵

نام نیک رفتگاں ضایع مکن

تا بسا ند نام نیکت برقرار

(۵۹) بات کا انسان کو بڑا لحاظ چاہئے۔ جائے لاکھ اور رہے ساکھ جاکم گو
کیسکی خیانت سے تادقتیکہ اپنے آپ کو یقین نہو جائے مطلع نہیں کرنا چاہئے ۵

کمال است و نفس انسان سخن

تو خود را بگفتار ناقص مکن

(۶۰) ہر ایک چمکدار شے سونا نہیں ہوتی۔ ہر ایک کی اصلیت اور جبلت معلوم
کرنے کے لئے تجربہ درکار ہے ۵

تو اشناخت بیکروز از شمال مرد کو تا کجاش سیدست پا نگاہ علوم
ولے ز باطنش امین مباش غسرہ شو کو خبث نفس نگر و دبسا لہا معلوم

(۶۱) جو انسان سچا و نصیحت کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ جسکو نصیحت مستحق
کا شوق نہیں ہے وہ لائق ملامت ہے ۵

چوں نیاید نصیحت در گوش

اگر تہ سر ز نفس کنسم خاموش

(۶۲) وہ دوستی جو سالہا سال کی کماٹی ہو۔ فوراً ضایع نہیں کرنی
چاہئے ۵

سکے بچید سال شود غسل پارہ
 ز نہارتا بیک نفسش نشکنی بستگ
 (۶۳) موت کے منہ میں جاناداناؤں کا کام نہیں ہے

بلے اجل گر چہ کس نحو اہد مرد
 تو مرد در دمان از در نا

(۶۴) اگر ناصح شفیق نہ ملے تو بیوقوف کی بات پر یقین نہیں کرنا چاہئے ہے

کس نیا مد بزیر سایہ بوم
 درمہا از جہاں شود معدوم

(۶۵) محسن کے ساتھ کبھی برائی سے پیش نہ آؤ۔ احسان کبھی کسی کا فراموش
 نہیں کرنا چاہئے ہے

مردت نباشد بدی باکسے

کز و نیکوئی دیدہ باشی بسے

(۶۶) بادشاہ کو چاہئے کہ رعیت کی جان کا ہمیشہ نگران رہے۔ اور رعیت
 کو جان سے زیادہ عزیز رکھے

رعیت نشاند بہ بیداد کشت

کہ مرسلطنت را پناہند و پشت

(۶۷) بادشاہ کو چاہئے کہ دہقانوں کے ساتھ خاص رعایت کرے

مراعات دہقان کن از بہر خویش

کہ مزدور خوشدل کند کار بیش

(۶۸) جہان تک ہو سکے۔ مسافروں کی خاطر اور جہانوں کی مدارات کرنی
 چاہئے ہے

بزرگاں مسافر جہاں پر و رند

کہ نام نکوئی بسالم بر ند

(۶۹) اپنے قدیم نکلنے والوں کی خاطر کرنی چاہئے ہے

قدیمان خود را ہفت سبز آقدر

کہ ہرگز نیا ند نہ پروردہ غدر

(۷۰) بادشاہوں کو چاہئے کہ قیدیوں کے حالات بھی دریافت کرتے رہیں

نظر کن در احوال زندانیان

کہ ممکن بود بے گنہ در میاں

(۷۱) حاکم کو چاہئے کہ دوست - دشمن میں تمیز کرے

نہ تدبیر محمود و رائے نکوست

کہ دشمن زنداند شہنشاہ دوست

(۷۲) جو خود ہی مر رہا ہو اُسکو مارنا نہیں چاہئے - کیونکہ اپنے سے کمزور پر

ہاتھ اٹھانا مردی میں داخل ہے

ہماز و رمن دی مکن بر کہاں

کہ بر یک منطے خاند جہاں

(۷۳) جیسا کوئی کرے گا - ویسا بھرے گا

ہمینت بسند است اگر لبش نوی

اگر خار کاری سمن ندر دی

(۷۴) نصیحت جو غرض سے خالی ہو - بعینہ کڑوی دوا ہے جس سے مرض

رفع ہو جاتا ہے

نصیحت کہ خالی بود از غرض

چو دار دئے تلخت دافع مرض

(۷۵) خوشامدی کبھی کسی کا دوست نہیں ہوتا

بنزد من آنکس نکو خواہست

کہ گوئد فلان را در راہ تست

(۷۶) جب دیکھو کہ دشمن پر زور نہیں چلتا تو حکمتِ علی سے کام نکالو ۵
چونقواں عدور البقوت شکست
بہائد بہ نعمت و دستِ نہایت

(۷۷) بیکسوں کی مدد کرنی چاہئے ۵
رو نیکمردان آزاد گیر چو استادہ دست افتادہ گیر
جو اغرداگر راست خواہی لیت کرم پیشہ شاہ مرداں علیست
(۷۸) احسان سو عبادتوں سے بہتر ہے ۵

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہتر ہے
(۷۹) اگر ہو سکے تو اُمیت دواروں کی اُمید بر لانی چاہئے ۵
بر آوردن اُمیت دوار
بہ از قید بندگی گستن ہزار

(۸۰) جب دیکھو کہ دشمن قابو میں آ گیا ہے اور اُس سے بھلائی کی کبھی
اُمید نہیں ہو سکتی تو فرصت کو غنیمت سمجھو اور ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو
اُس کے شر سے بچاؤ ۵

چو گرگ خبیث آمد اندر کند
بکُش در ز دل بر کن از گوسفند

(۸۱) انسان دولت سے شریف نہیں ہو جاتا ۵

نہ منعم بآل از کسے بہتر است خوار جل اطلس پوشد خرس
گر بے ہنر بآل کند کبر بہ حکیم کون خرس شمارا کرگا و غیر است

(۸۲) ترش رو اور بد خو ہمیشہ نفرت کیا جاتا ہے ۵
چو سنداں کسے سخت روئی نہ کرد کہ خالیسک تا دیب بر سر خورد
تو شیریں زبانی ز سندی بگیر ترش روے را گوشت لہنی بمیر

- (۸۳) کیسی نصیبت ہمیں سننی چاہئے ۛ
 بجمل ستائش فراچہ مشو
 چو حاتم احم باش و نصیبت شنو
 (۸۴) اپنے آپ کو ہر حالت میں ہیچ سمجھنا چاہئے ۛ
 رہ اینست سعدی کہ مردان راہ نغزت نکر دندادر خود نگاہ ۛ
 ازیں بر ملا یک شرف داشتند کہ خود را بہ ازہ سگت پنداشتند
 (۸۵) انسان کو چاہئے کہ آپ کسی طرح سے خائن نہ ہو۔ اگر اُس میں کسی قسم
 کا نقص نہ ہوگا۔ تو دشمن کی کیا مجال کہ نقص پکڑ سکے ۛ
 تو نیکو روش باش تا بد سگال
 نیابد بہ نقص تو گفن مجال
 (۸۶) ”ہیچومن دیگرے نیست“ کہنے والے کو لوگ ہمیشہ سفلہ سمجھتے ہیں ۛ
 بچشم کساں در نیاند کسے
 کہ از خود بزرگی مناند بے
 (۸۷) تن پروری تمہیں کرنی چاہئے ۛ
 پیرور اگر مرد راے و بشی
 کہ اور اچھے پروری نے کشتی
 (۸۸) بار بار کھانے کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے ۛ
 تنور شکم و مبدم تا فتن
 مصیبت بود روز نایافتن
 (۸۹) قرضہ لیکر شوق پورا کرنا بہت بُرا ہے ۛ
 حلاوت ندادر شکرد و زنیش چو باشد تقاضائے تلخ از پیش
 الفیاض
 بہ تمنائے گوشت مُردن بہ ز تقاضائے زشت قصا باں

(۹۰) جو دوسروں کے مال پر دندان آزد راز کرتا ہے وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

چو دلتنگ خفت آں فردمایہ دوش

کہ بر سفرہ دیگران داشت گوش

(۹۱) اپنی نسبت خود بینی اور دوسروں کی نسبت بد بینی کرنا بڑا عیب ہے۔

ما پر دانا سے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود میں مباحش درگراںکہ بر خیر بد میں مباحش

(۹۲) روپیہ ہاتھ کا میل ہے۔ کبھی آتا ہے۔ کبھی جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے

کہ اپنی خصلت پسندیدہ رکھے۔

پسندیدہ و نفز با ند خصال

کہ گاہ آند دگر رود جاہ و مال

(۹۳) اپنے دل کا راز کسی کو نہیں بتانا چاہئے۔

تو پیدا مکن راز دل بر کسے کہ او خود بگو ند بر ہر کسے

جو اہر بگنجینہ داراں سپار ولے راز را خویشتن با پس دار

(۹۴) دوستوں میں لڑائی نہیں ڈلوانی چاہئے۔

میان دو کس آتش افر دختن نہ عقلست خود در میاں سوختن

(۹۵) استاد کی سختی باعث فلاح آئندہ ہے۔

ہر آں طفل کو جو را آموزگار

نہ بند خفا بسیند از ر در نگار

(۹۶) تنگی اور عسرت کی شکایت نہیں کرنی چاہئے اور اپنے سے اچھوں

کو حسد کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے۔

مکن نالہ از بسینوائی بے

چو بینی ز خود بسینوائے

(۹۷) انسان کو سینک کٹا کے پتھروں میں نہیں ملنا چاہئے۔

مرا برف بارید پر پیر تراغ
نشا ند جو بلبلس تماشا تے بلغ

(۹۸) اے جو انو عالم جوانی غنیمت سمجھو

جو اناں رہ طاعت امروز گیر
کہ فردا دنیا ند جوانی ز پیر

(۹۹) حقوق والدین کو کبھی نہیں فراموش کرنا چاہئے

اے طفل کہ دفع گس از خود نتوانی ہر چند کہ بالغ نشدی آخر ز بہانی
مشکرائے زور آوری روز جوانی آنست کہ قدر پدر پیر بدانی

(۱۰۰) ناخلف اولاد والدین کے لئے بڑی سخت مصیبت ہے

زنان باردار اے مرد ہشیار اگر وقت ولادت مارز آئند
ازاں بہتر نزدیک خرومند کہ فرزند ان ناہموارز آئند
ایضاً

دانی چہ گفتہ اندینی عوق ز غرب نسل بریدہ بہ کہ موالید لے ادب

آٹھواں باب شیخ اور دیگر شعرا

اس باب میں ہم شیخ کے ساتھ فارسی زبان کے دیگر مشاہیر شعرا کا مختصر طور پر مقابلہ کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ شاعری اور تصنیف کے لحاظ سے شیخ کا رتبہ کیا تھا۔ ملا نور الدین عبد الرحمن جاتی۔ ایک مشہور شاعر ہوا ہے۔ یہ شخص مولانا محمد یا احمد اصغری کا خلیفہ الرشید تھا اور ۱۱۲۱ھ میں پیدا ہوا اسکی پیدائش ہرات کے ایک گانویں جگہ نام جام ہے واقع ہوئی تھی اور اس لحاظ

سے اس نے جاتی تخلص کیا تھا۔ جاتی اول درجہ کا غوغمزاج۔ شائستہ اور حلیم طبع شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ زبان دانی میں تمام ایران میں بے نظیر تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا والے تہرات سے اسکی بڑی دوستی تھی۔ اور اسکے بعد سلطان حسین مرزا بھی اسکی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ جامی دولت شاہ مؤرخ کا مہمصر ہوا ہے یوسف زلیخا اور نفقات الانس اسکی سب سے زیادہ مشہور تصانیف ہیں آخر الذکر کتاب میں صوفی مشائخ کی زندگی کا حال ہے اور غالباً طبقات الصوفیہ کا ترجمہ ہے۔ اسکی تصنیفات مفضلہ ذیل ہیں:-

سلسلہ التہذیب + تحفۃ الاحرار + لیلیٰ مجنوں + خرد نامہ + سکندر نامہ
بہارستان + فتح الحرمین + خورشید و ماہ +

یہ بالکل ۹۲۰ لکھ میں اکاشی برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اسکی تصنیف کو مشرطیڈ گرافٹس پر لٹنے مرتب کیا ہے۔ جب یہ فوت ہوا تو حاکم وقت کے حکم سے جلد سردار اور اعیان سلطنت جنازہ کے ساتھ تھے جو بڑے تزک و احتشام سے اٹھایا گیا تھا +

جاتی نے ایک کتاب گلستان کے جواب میں لکھی جسکا نام بہارستان ہے اگرچہ کچھ شک نہیں کہ بہارستان ایک ایسے شخص کی زبان ہے جسکی زبان دانی کی تمام ایران نے داد دی ہے۔ مگر گلستاں کے مقابلہ میں اسکی نسبت میں یہ فقرہ کتنا بڑا ہے کہ ”قطرہ کو دریا سے کچھ نسبت نہیں ہے“ گلستان ایک دریا سے ذخار ہے اور بہارستان اس کے مقابلہ میں ایک فقرہ ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر چند فقرے دونوں کتابوں کے ذیل میں درج کرتے ہیں:-

گلستان کا پہلا فقرہ ہے ”منت مرخداے را غر و جل کہ طاعتش موجب بہت است و بشکر اندر رش مزید نعمت۔ ہر نفسیکہ فرد میرود و حمد حیات و دمیگر بر نے آید مفرح ذات“

بہارستان اس طرح پر شروع ہوتی ہے ”ہزاران داستان حمد و ثنا

زبان مرغان بہارستان عشق و وفا کہ از منابر اخصان فضل و احسان مجمل صحت
و طیب الحان علی الدوام خوانند +

اب اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں کلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے
جاتی کی عبارت ایسی ہے کہ معمولی لیاقت کا انسان ڈکشنری کی مدد بغیر نہیں
سمجھ سکتا اور علاوہ اسکے مطلب کے نفاست اور قانون قدرت کی پابندی ظاہر ہے +
گلستاں میں لکھا ہے کہ "اسکندر را پسیدند کہ دیار مشرق و مغرب را
بچہ گرفتہ" +

بہارستان میں لکھا ہے کہ "اسکندر را گفتند بچہ سبب یافتی - آنچه
یافتی از دولت و سلطنت" +

قطع نظر از زبانوں کے "گفتند" اور "پرسیدند" سچی تمام قلعی کھل جاتی ہے +
گلستاں میں لکھا ہے ۵
خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش باکے گفتن و گفتن کہ گلو
اے سلیم آب ز سر چشمہ بند کہ چو پر شد نتوان بستن جو
حضرت جاتی فرماتے ہیں ۵

اے پسر سترے کسان مردم نہفتن لازم است
بکہ از افشائے آں بادوستے کم دم زنی
دیدہ ام بسیار کز سیر سپہرج ہند
دوستاں دشمن شوند و دوستیہا دشمنی
شیخ صاحب فرماتے ہیں: "مشورت با زناں تباہ ہست و سخاوت بامقصد
گناہ" +

ملا جاتی صاحب لکھتے ہیں: - زناں را چوں مرداں محل اعتماد مگرد۔ آں
زیر کہ اگرچہ زن از قبیلہ معتدان آید از ان تبیل نیت کہ معتد را شائد +
اس زیر کہ اگرچہ نے تمام فقرہ کا خون کر دیا ہے +

گلکشتاں کو بہارستان پر اس وجہ سے فقہیت ہے کہ ۱۔

اول :- گلکشتاں کا ہر ایک فقرہ ایسا برکت چیت اور موزوں ہے کہ گویا
سایہ میں ڈھلا ہوا ہے اور بہارستان میں یہ بات نہیں ہے +
دوم :- گلکشتاں میں شیخ نے لفظوں کے موتی عبارت کی لڑی میں اس خوش
اسلوبی کے ساتھ پروئے ہیں کہ اگر لفظ ادھر ادھر ہو جاوے تو تمام مضمون
زبر ہو جاتا ہے۔ بہارستان میں یہ خوبی نہیں ہے +
سوم :- گلکشتاں میں جو مضمون دو لفظوں میں ادا ہوتا ہے وہ بہارستان
میں ایک سطر میں نہیں ہو سکا +

چھارم :- گلکشتاں میں زیادہ تر ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو رزمہ
کی بول چال میں آتے ہیں۔ اور بہارستان کے اکثر الفاظ ثقیل اور کثرت مز
نیچم :- گلکشتاں کو دیکھ کر بادی النظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ گلکشتاں آمد کا
نتیجہ ہے اور بہارستان آور کا ظہور ہے +

بہارستان کے علاوہ دو اور کتابیں خاہستان اور پریشان گلکشتاں کی
طرز پر لکھی گئی ہیں۔ انہیں سے خاہستان محمد الدین خوانی کی (جو خورخراسان کا بیٹا
تھا) تصنیف سے کہتے ہیں۔ خاہستان اکبر کے حکم سے لکھی گئی تھی + دوسری پریشان
یہ مرزا حبیب المتخلص بہ قافانی کی تصنیف ہے۔ جو مرزا ابوالحسن گلشن کا صاحبزادہ
تھا۔ اسکی وفات کو تھوڑا عرصہ گزر رہا ہے۔ اہل ایران اسے خاتم الشعراء سمجھتے
ہیں۔ قافانی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ اسکے والدین فوت
ہو گئے اور سات برس کی عمر میں خراسان کے کالج میں داخل ہو گیا۔ کالج
کے زمانے میں قافانی نے شعر کہنا شروع کیا اور اسکی شہرت رفتہ رفتہ چاروں
طرف پھیلا گئی اسکا بڑا مربی شاہزادہ شجاع السلطنت حسن مرزا تھا جس نے
اسکو اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ اور انہیں کی ہر بانی سے وہ جلد شاعر
منتخب کیا گیا کہ وہ بادشاہ کی سالگرہ پر قصیدہ سنایا کرے بادشاہ نے اسے خلعت اور جاگیر

عطا کی تھی فتح علی اور محمد شاہ نے اسے مجتہد الشعراء اور حسان العجم کا خطاب عطا کیا تھا
 قافانی ایک بڑا طور مارنویں مُصنف ہوا ہے۔ مگر اسکی پریشان گو وہ رتبہ حاصل
 نہیں ہوا جو گلستان کی قسمت میں ہے + ایک اہل الرائے لکھتا ہے کہ قافانی
 کو نہ تو گلستان جیسے عالی مضامین سوچھے ہیں اور نہ اُس نے ویسی عمدہ اور شستہ
 عبارت استعمال کی ہے۔ قافانی نے ہر چند سعدی پر جو مشرق کا اڈیسن ہے
 سبقت لیجانے کی کوشش کی تھی۔ مگر اُسکا پانوں پہلی ہی سیر بھی پر رہا اور اُس
 کے آگے وہ نہ جاسکا +

قافانی۔ لاطینی۔ فرانسیسی دیگر اسنے لڑتے بھی واقف تھا اور اُس نے
 اپنی کلام میں اُن کی بھی پاشنی دی ہے۔ قافانی کا انجام بخیر ہوا۔ یہ عالم شباب
 میں شراب خانہ خراک شکار ہوا۔ اسکی موت سنہ ۱۱۷۵ میں واقع ہوئی گلستان
 کی فوقیت کو قافانی نے پریشان کے دیباچہ میں خوشیلم کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ
 ایک نہایت عزیز دوست نے اصرار کیا کہ گلستان کی طرز پر نظم و نثر میں ایک
 کتاب تحریر کرنی چاہئے۔ میں نے کہا بھائی توبہ کر۔ میں کیا اور میری بساط کیا
 کہ گلستان کا جواب لکھوں میسلم نے بنوت کا دعوائے کر کے کذاب کا خطاب
 پایا تھا۔ میں نے مانا کہ جگنو رات کو چمکتا ہے۔ لیکن نہ چاند کی برابری نہیں
 کر سکتا آخر جب اُس نے نہ مانا اور میرے انکار سے اُسکا اصرار بڑھتا گیا۔ تو مجبوراً
 کچھ نظم و نثر اور جد و نہر ل تریت لکھی اور یہ سمجھا گیا کہ اگرچہ طریر و از میں شہباز
 کی برابری نہیں کر سکتی لیکن اُسکو چار و ناچار اڑنا ہی پڑتا ہے +

خارستان کا تو یہ حال ہے کہ وہ پریشان اور بہارستان سے بھی بدرجہا
 گری ہوئی ہے۔ مجد الدین اگرچہ بہت زور مارا ہے مگر اسکی تحریر اہل زبان
 کی دوش سے بیگانہ معلوم ہوتی ہے۔ غرض خارستان اور پریشان کو گلستان
 سے وہی نسبت ہے جو خاک کو عالم پاک سے +

قافانی کی غزلیات بھی شیخ کی غزلیات کو نہیں پہنچیں مُصنف نگارستان

کہتا ہے کہ قافانی کی عزلیات اول درجہ کی نہیں ہیں اور قصیدہ کی طرز پر لکھی گئی ہیں اور قافانی کے قصائد بھی قافانی کے قصائد سے رتبہ میں کم ہیں۔ ہماری رائے میں مول قصیدہ کے لحاظ سے قافانی کے قصائد شیخ کے قصائد سے بہتر ہیں۔ اگرچہ بحالت مجموعی قافانی کو شیخ کے رتبہ سے کچھ نسبت نہیں مثلاً قافانی کہتا ہے۔

باد نور و زری شمیم عطر جاں مے آورد
درچمن از مشک چیں صدکار رواں محو آورد
رستم عید از برائے خشم طاووس ہزار
نوشدار و از دل دیو خنراں مے آورد
بامنو چہر مبارزی آفرید و نریح -
فتح نامہ سلم وے از خاوراں مے آورد
ہر دفع بیور است دے گلستاں کاہ را
از گل صوری درخش کاویاں مے آورد
رستم آوردی بہشتی مژدہ نزد طوس عید
از ہلاک اشکیوس مہرگاں مے آورد
بہر نادید فرامرز خریف اینک سپہر
از کمان بہمنے تیرو کماں مے آورد
یا پیام کشتن آراے دے را باد صبح
در بر اسکندر صاحب قرآن مے آورد
باشما ساس خراں افارن اردی بہشت
دشگیر از نیزہ آتش فناں مے آورد
یا نوید قتل کرم مفتواو دے نسیم
درچمن چوں ارد شیر بابکاں مے آورد

یا گردے فضل و سے را بر سر از تل خاک
 گیو فرور دیں بخواری موکشاں سے آورد
 ہم تا آنی کے ایک آذر قیصدہ کے چند اشعار بطور نمونہ درج کرتے ہیں
 ناظرین اسکی جودت طبع کا اندازہ کر سکیں گے۔
 ”سید چہ خبر نفع کے رسید سحر“
 ”گجا نبرد ملک از چہ ملک خاور“
 ”خبر چہ بود شکست عدو کہ گفت بشیر“
 ”عدو شکست چہاں خورد و کشت زیر و زبر“
 ”منا فکاه کجا بود ساحت بسطام“
 ”کہ بہ شکست عدو راسخے بن آذر“

امیر خسرو ایک بڑا مشہور شاعر اور نثر نگار ہوا ہے۔ مشہور۔ امیر محمود دین الدین
 کا لڑکا تھا جو قوم لاجین کا ترک تھا۔ امیر محمود بلخ سے ہندوستان میں آیا
 اور پٹنالیہ میں مقیم ہوا۔ پٹنالیہ میں امیر خسرو کی ولادت ۳۲۵ھ میں ہوئی
 سرالیٹ کا قول ہے کہ خسرو ایسے زمانے میں ہوا ہے جب ہندوستان میں
 اخلاق کا خون ہو رہا تھا۔ امیر خسرو کی نسبت مشہور ہے کہ اُس نے خانوے
 کتابیں نظم میں تصنیف کی ہیں۔ اسکی مشہور تصنیفات مفصلہ ذیل ہیں:-
 ہشت بہشت۔ تیلی مجنوں۔ سکندر نامہ۔ پنج گنج۔ شیریں خسرو۔ اعجاز خسرو
 غفر نامہ۔ انشائے امیر خسرو۔ نہ سپہر۔ قرآن السعدین۔ مطلع الانوار وغیرہ +
 قرآن السعدین خسرو نے بخرافان اور کیتباد کی ملاقات کی یادگار میں لکھی ہے
 جانی لکھتا ہے امیر خسرو نے ہرمیدان میں قدم مارا ہے۔ قیصدہ کے۔
 غزلیات کا دیوان لکھا۔ مثنویاں لکھیں اور تمام کو کمال کے درجہ تک پہنچایا۔
 قیصدہ میں خسرو نے خاقانی کا منہج کیا ہے۔ مگر نا کامیاب رہا ہے۔ البتہ غزل
 میں اُس سے سبقت لیگیا ہے۔ امیر خسرو کی غزلیات ارباب عشق و محبت میں بہت

مقبول ہیں *

شیخ آذری نے کتاب جو اہر الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ سعدی امیر خسرو کے دیکھنے کو شیراز سے ہندوستان میں آیا۔ اگرچہ یہ بات نہایت مشکوک ہے مگر اسمیں کچھ کلام نہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے قان محمد سلطان بلبلستان نے جسکو خان شہید کہتے ہیں شیخ سے کئی بار التجا کی کہ آپ شیراز سے یہاں تشریف لائے۔ اور چونکہ امیر خسرو بھی ان دنوں دربار تھا۔ اسکا کلام بھی شیخ کے ملاحظہ کے لئے بھیجا۔ شیخ کا اسوقت عالم ضیعفی تھا۔ اس لئے نہ آیا اور امیر خسرو کی نسبت لکھا کہ اس جوہر قابل کی تربیت اور قدرا فزائی کرنی چاہیے کہتے ہیں کہ امیر خسرو نے بھی ایک کتاب گلستان کے جواب میں لکھی اور اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں لے گئے۔ انہوں نے کہا اسے اکل لانا۔ آج لیجاؤ اور یہ میری چادر اوڑھ کر سو رہنا۔ امیر خسرو نے ایسا ہی کیا کہتے ہیں کہ اُس وقت خواب میں انہوں نے ایک دربار دیکھا جسکے صدر حضرت سرور کائنات تھے اور ایک شخص روبرو کھڑا ہوا ایک کتاب میں سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ امیر خسرو نے جب غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ وہ کہہ رہا تھا: ”بلغ العلی... الخ“ پھر امیر خسرو نے دیکھا کہ ان کے مرشد ایک کونے میں دو دست بستہ مودب کھڑے ہیں۔ علی الصباح امیر خسرو خدمت مرشد میں حاضر ہوئے اور رات کا ماجرہ موعوض کیا۔ حضرت نے فرمایا میاں تمہاری کتاب اُس صاحب کمال کی تصنیف کے آگے کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ امیر خسرو نے اسی وقت کتاب جا کر جنبا میں دریا برد کر دی چاہے یہ روایت ایشیائی زطل ہی ہو۔ مگر اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو نکلتا ہے کہ جو عظمت اور عقیدت شیخ کی تھی۔ اُس سے امیر خسرو کو کچھ نسبت نہ تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شہرت گلستان بوستان کی بدولت شیخ کو نصیب ہوئی اُس کا عشرِ غنیمت بھی خسرو کو نہیں ملا۔ مگر چشم انصاف سے

دیکھ کر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ امیر خسرو کی بعض غزلیات شیخ کی غزلیات سے
بڑی ہی ہوتی ہیں۔ ہم غونڈ کے طور پر دو غزلیں امیر خسرو کی درج کرتے ہیں:-

غزل

اے چہرہ زیباء تو رشک بتاں آفری
ہر چند وصفیت میکنم در حسن زان بالاتری
ہرگز نیاں در نظر نقشے ز رویت خوہر
شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری
آفاق ماء گردیدہ ام ہر تباں ورنہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چہرے دیگری
عالم ہمہ یغمائے تو خلق خدا شیدائے تو
ایں فرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری
اے راحت و آرام جاں باقامت سروداں
زینساں مرد دامن کشاں کارم جانم میری
عزم تماشا کردہ آہنگ صحر اکردہ
جان و دل مابروہ اینست رسم دلبری
خسرو غریب است دگدا افتادہ در شہر خرم
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں نیگی

غزل

یاد بآں بالائے گلزار آب جیوں نچسند
یا مگر جان کساں بگداختند آں نچسند
شیرہ جاہنائے شیریں بر بکند یا ز میاں
دیں تبن شیریں ازاں شیرنئے جاں نچسند
ہر کجا خوئے رنجت از رویت ملاححت یار

چاشنی گیران نعمت برنمکد اس بختند
 عیش تلخ با خیال الحس جاب اقرات بہت
 شہریت تلخ کد در دے آب حیواں بختند
 شعلہ نے خیزد ز گور کستگاں بر جائے نور
 بسکہ زیر خاک باد لہائے سوزاں بختند
 ہیمچو چشم نامسلمان تو بے رحمت نیند
 کافران چیں کہ خوں مائے مسلمان بختند
 از گناہ نیکوآں یارب مرا سواں بخت
 گرچہ آں مردم کشاں نہاء فراوان بختند
 عاقبت بر روی آب در دراز بید لاں
 گرچہ گریہ در شب یک پنہاں بختند
 خستہ و اگری کہ جز خاشاک بدنامی بخت
 دیدہ مائے عاشقاں ہر جا کہ یار بختند

رابرٹ بینگ صاحب اپنے سفر نامہ ایران و سیلون جلد اول میں لکھتے ہیں کہ لوگ جب قدر حافظ کی عزت و حرمت کرتے ہیں اس قدر سعدی کی نہیں کرتے حافظ کا مذہب شیعہ تھا اور سعدی کے عقیدہ کی نسبت شک ہو اگرچہ اسکی تصنیف سے کہیں کہیں یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ سنت جماعت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سعدی کی تحریر اپنی طرز میں لا جواب ہے اور اگرچہ سعدی کا رتبہ غزل میں حافظ سے کم ہے مگر اس نے دفتر کے دفتر سیاہ کر دئے ہیں اور وہ جامع نظم نثر ہے۔ ہزاروں مصنفوں اور علماء نے اسکے طرز تحریر پر متبع کرنا چاہا ہے مگر عاجز رہے ہیں +

پیشتر اسکے کہ ہم بینگ صاحب کی رائے پر بحث کریں۔ ہم خواجہ حافظ کا مختصر حال درج کرنا چاہتے ہیں +

خواجہ شمس الدین حافظ کا حال ہمیں بہت عقیدہ معلوم ہے۔ خواجہ حافظ چودھویں صدی کے شروع میں پیدا ہوا اور ۳۸۹ھ میں فوت ہوا۔ اس کا کلام سب سے پہلے نسید قاسم النور نے جمع کیا تھا۔ صوفی اسکے کلام کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اسکے کلام کو مہر ولیم جونس، پٹر ٹاٹ، رچرڈ سن اور کارل لائل نے ترجمہ کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حافظ کا دیوان بہت مشہور ہے۔ بلکہ اکثر لوگ قرآن کی طرح اس میں سے فالیں نکالتے ہیں۔ فال نکالنے کا طریقہ بھی عجیب ہے۔ کئی تو حافظ کو شاخ نبات کی قسم دیکر فال نکالتے ہیں اور کئی مفصلہ ذیل الفاظ دیوان کھولنے سے پہلے کہتے ہیں۔

اے حافظ شیرازی

تو کاشف ہر رازی

یک وصف الحالی مناسب بر احوال ما بگو

روح شاد باد

اہل ایران کا اس بات پر بڑا اعتقاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ حافظ کی رُوح نے دیوان میں حلول کر کے سب فال راست راست کہہ دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب نادر شاہ ہند پر فوجبشی کرنے لگا تو اپنے تمام افسروں کو حافظ کی مزار پر لے گیا اور دیوان میں سے فال نکالنے کا حکم دیا۔ کتاب کو کھولا تو پہلے اشعار جو نکلے وہ مفصلہ ذیل تھے:-

سزد کہ از جملیں لیسراں ستانی بلج

چرا کہ بر سر خوباں عالے چوں تاج

دو چشم مست تو بر ہم زدہ خط و ختن

بچین زلف تو ماچین ہند داوہ خراج

مگر بعض یہ کہتے ہیں کہ نادر شاہ نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا کہ یہی اشعار نکلیں اور فوج کا دل بڑھ جاوے +

کہتے ہیں کہ حافظ کی وفات پر چند متعصب مسلمانوں نے اس کا جنازہ اٹھائیے

انکار کر دیا اسپر تنازعہ ہو بڑا اور حافظ کے معتقدین نے کہا بہتر ہے فال نکالو۔
اور موافق فال کے عمل کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پہلا شعر جو نکلا وہ یہ تھا:-

قدم درینغ مدار از جنس زہ حافظ

اگر چه غرق گناہست میرود بہ بہشت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آنغا ماشم جو مشہور درویش تھا فوت ہو گیا اسکے دوستوں نے چاہا کہ اسکو حافظ کے مقبرہ میں دفن کریں۔ مگر مقبرہ کبھی نہ بننے لگا۔ اجازت دینے سے انکار کیا۔ آخر سب کی یہ رائے پھیری کہ بذریعہ فال دیوان میں سے حال دریافت کیا جائے چنانچہ جب دیوان کھولا تو مفسدہ ذیل شعر نکلا:-

رواق منظر چشم من آشیانہ نست

اگر مہر و فرود آ کہ خانہ خانہ نست

ایک دفعہ ایک حبشی خواجہ سرائے تربت حافظ پر آیا اور دیوان منگا کر فال دیکھی۔ پہلا مصرع جو نکلا وہ یہ تھا:-

نوسیاہ کم بہا میں کہ چہ در باغ دارد

تو جہاں کا قصہ مشہور ہی ہے کہ جب اسکا ماچوری گیا وہ دیوان حافظ میں فال دیکھنے بیٹھی۔ رات کا وقت تھا۔ جو لونڈی اس وقت شمع ماتھ میں لئے دکھا رہی تھی۔ وہی چور تھی۔ فال میں یہ مصرع نکلا تھا:-

x x x x x x x

چہ دلاور است دزدیکہ بکف چراغ دارد

اگرچہ راقم کو فال پر ذرہ بہر بھی اعتقاد نہیں ہے مگر ہندوستان میں سنیکرڈ اور ایران میں ہزاروں ایسے موجود ہیں جو لکھے بڑے ہو کر اس بات کے معتقد ہیں اس میں کچھ کلام نہیں کہ ایران میں حافظ کو بھی لوگ ولی سمجھتے ہیں۔ ہزاروں اسکی مزار پر زائرین جاتے ہیں۔ مگر حافظ کو بجا مالت مجموعی شیخ علیہ الرحمۃ سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ شیخ ہر میدان میں برق و باد ہو کر کڑکا ہے اور

حافظ کی بساط میں صرف پندرہ سولہ سوا شعار کا اثاثہ ہے یعنی حافظ تمام عمر غزل کی چار دیواری ہی میں بند رہا ہے *

زابرٹ بینگ صاحب ہمیں صرف اس قدر اتفاق ہے کہ حافظ کی غزلیات شیخ کی غزلیات سے زیادہ چھبھتی ہوئی اور پڑھ کر کتی ہوئی ہیں * مولانا جاتی کہتے ہیں کہ کوئی کوئی شعر تو حافظ کا سرحد اعجاز کے قریب پہنچ گیا ہے۔ بعض شخصیات بیان کرتے ہیں کہ سعدی نے حافظ کو بدو عادی تھی کہ جو شخص تیرا کلام پڑھ گیا وہ دیوانہ اور لایعقل ہو جاویگا۔ ہماری رائے میں یہ بات سراسر مبالغہ ہے حافظ اور سعدی ہم عصر نہیں ہوئے *

حافظ کی غزلیات شیخ کی غزلیات سے بیشک زیادہ با آب و تاب ہیں۔ مگر اس طرز کا موجب شیخ ہی ہے۔ حافظ نے شیخ کی طرز کے ساتھ وہ برتاؤ کیا تھا جرات نے میر تقی کی طرز کے ساتھ کیا۔ یعنی حافظ نے سعدی کی فصاحت اور سادگی پر شوخی اور بالکین کا انداز ایسا بڑھایا کہ جس سے عوام الناس میں اس کو پسند عام کا خلعت مل گیا۔ حافظ کی غزلیات کی خصوصیت یہ ہے کہ فصاحت اور محاورہ کی جان ہیں اور حسن و عشق کے معاملات سے مامور ہیں اگرچہ حافظ کے پیرو بار یک بینی کی عینک لگا کر اُن کو لغتوف اور عشق حقیقی کی طرف کھینچتے ہیں۔ اسی طرح شیخ نے بھی ایک دفعہ مولانا محمد شیریں المعروف مولانا غزنی کے روبرو چشم اور ابرو کی توضیح کر کے کہا تھا کہ چشم اور عین مراد ہیں لفظ ہیں پس عین سے ذات الہی مراد ہے اور ابرو واجب کا مراد ہے۔ پس واجب سے صفات الہی جو کہ واجب ذات ہیں مراد ہے *

اب ہم چند غزلیات حافظ کی بطور نمونہ درج کرتے ہیں :-

غزل

رفتم بیان تا کہ بچینم سحر گلے آمد بگوش ناگم آواز بلبلے

سکین چو من بعشق گل گشته مبتلا
داند در چمن نکلندہ لبس باد غلغلے
سیگشتم اندراں چمن و باغ و مہم
میکردم اندراں گل و بلبل تا طے
چوں کرد و ردلم اخ آواز عند لیب
گشتم چنانکہ هیچ منہ اند تخیلے
بس گل شکفته میشود این باغ را
کس نے جفا سے غارت خجیدہ استاز و گل
گل یار غارت گشته و بلبل قرین عشق
آنرا تنہا سے نہ و این ابتدا لے
حافظ مدار امید نسج از مدار چرخ
دار و ہزار عیب و نداد و تفضلے
اس طرز میں سعدی کی بھی غزل ملاحظہ ہو:-

ہر روز بادے برداز بوستان گلے
مجرع میکند دل میکن بلبلے
روئیت ماہ سپیکر و موئیت مشکبوے
ہر لالہ کہ میدمد از خاک و سنبیلے
بالائے خاک هیچ عمارت نکرده اند
کز دے بدیر و زود نباشد تھولے
نکرده طلعتے ست جہان فریب ناک
ہر بادداد کرہ بشوخی تھیلے
وستان و غورم و صحر و لالہ زار
وز بانگ مرغ در چمن افتادہ غلغلے
وام وز خار ٹائے مغیلاں کشید تیغ
گوئی کہ خود بنود دریں بوستان گلے
دنیا یکیت رہگذر دار آخرت
اہل تمیز خانہ نگہ نہ بر پلے

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بنال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا
بدہ ساقی نے باقی کہ در جنت خواہی یافت
کنار آب رکن باد و گلگشت مصلے را
فغاں کیوں بولیان شوخ شیریں کام و شہر آشوب
چناں بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغارا
ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست
بآب رنگہ خال خط چہ حاجت رو زیارا
حدیث از مطربے مے گو و راز و ہر کمتر جو

گوئیں نیکو و نیکو شاعر محبت میں محراب
من از آن حسن و زافزدن یو داشت و انتم
کہ عشق از قریہ عصمت بردن آرد زیلخارا
نصیحت گوئیں کن جانان کما ز جان مست بردارند
جوانان سعادتمند بند پر دانا را
بدم گفتی و خور سندی غماک التذکرو گفتی
جواب تلخ نے زبید لب لعل شکر خارا
غزل گفتی و در سفتی بیاؤ خوش بخوان قفا
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

چیمبرز انساٹیکلوٹڈ یا میں لکھا ہے کہ سعدی کی لطافت کلام اور نیکو سنجی و ماکہ مشور و شاعر ہو کر اس کے انداز کلام سو بہت ملتی ہے انگلستان کے بعض مصنف اسکو مشرقی شکسپیر لکھتے ہیں یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ اہل انگلستان شکسپیر کو تمام دنیا کے شعرا سے بہتر سمجھتے ہیں اس لحاظ سے انگلشیخ کو شکسپیر کو تشبیہ و تمثیل ظاہر کرتا ہے کہ کیا کچھ وقعت شیخ کی انکی نظروں میں ہے +
شیخ اور شکسپیر کے کلام میں اسقدر مماثلت ہے کہ محیط شیخ کی گلستان کے صد فقرے اور شعور مثل ہونگے ہیں اسبطح شکسپیر کا بھی کلام دائرہ سائر ہے + ہماری رائے میں شیخ کو شکسپیر پر بھی فوقیت ہے کیونکہ (۱) جو شہرت شکسپیر نے نامک ڈیو جس انسان کو طبع افسانہ جو حال کی اس کہیں و شیخ نے خشک اور سادہ نضاح حال کی (۲) شکسپیر صرف شاعر تھا اور سعدی نظم و نثر دونوں میں مسلم الثبوت استاد تھا ایسے مصنف بہت کم ہیں جو نثر اور نظم دونوں میں جامع ہیں شیخ کی شاعری شکسپیر اور ملٹن کو شرماتی ہے شیخ کی نثر اولین کی آبرو پر اوس برساتی ہے اور اسکی ظرافت چارلس لمب کی ظرافت کو خون و لاتی ہے +

تمام شد

حکیم صمد باقوال انگریزی میں خیر الشمل ہو گئے ہیں بطرح سعدی کے کلام کا ترجمہ کیا ہے اسبطح شکسپیر

